188671

TEXT LIGHT AND DARK BOOK

UNIVERSAL LIBRARY

OU_188671
UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No.

Author

Title

This book should be returned on or before the date
last marked below.

حضرت ابوذر غفاریؓ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم

کے

ایک خاص رازدار عاشق زار اور معاشی مساوات کے علمبردار
صحابی کے محققانہ سوانح اور پر کیف حالات

مولانا سید مناظر احسن گیلانی

صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ

ادارہ اشاعت اردو

حیدرآباد دکن

قیمت تین روپیہ چار آنہ سکہ عثمانیہ　　　دو روپیہ بارہ آنہ سکہ کلدار

۱۴۹۹۰

تعداد طبع ——— ایک ہزار

ستمبر ۱۹۳۵ء

سید عبد الرزاق
پروپرائٹر

ادارہ اشاعت اردو

مطبوعہ
رزاقی مشین پریس حیدرآباد دکن

دیباچہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد۔ واقعات و سوانح جو کچھ بھی اس عنوان کے تحت میں درج کئے جائیں گے ان کا زیادہ تر حصہ اصابہ۔ اسد الغابہ۔ استیعاب اور ابن سعد وغیرہ سے ماخوذ و مستنبط ہوگا لیکن بعض باتیں صحاح اور دیگر کتب حدیثیہ سے بھی لی گئی ہیں۔

مجھے چونکہ اس مضمون میں علاوہ تاریخی بیانات کے اخلاقی نتائج کا درس دینا بھی منظور ہے۔ اس لئے بعض بعض مقاموں میں چند ایسی باتوں کا اضافہ کروں گا ممکن ہے کہ عام دماغوں کو کتب کے اندر نہ ملیں کیونکہ اس میں نہایت دقیق اور غامض قیاس اور اجتہاد سے کام لیا گیا ہے۔ اسی لئے ابنائے عصر و اقران کرام سے مجھے امید ہے کہ قبل کسی تجسس و امعان کے وہ الزام اعتراض کی طرف عجلت فرمائیں

ع کہ در میخانہ ہر کس شناوری داند

تاہم میں نے اپنے خاص خاص نتائج کو رکھتے ہوئے ایسے مضامین کا انتخاب کیا ہے جو نقلی اور قیاسی بیان میں تیز بخش لکھے ہیں
وباللہ التوفیق۔

جدید دیباچہ تصنیف سے تیس سال کے بعد

الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصلحٰت، سالحات اور بننے والی باتوں کا بنانے والا اس کے سوا کون ہے، جہاں جلال ہے، اسی کا جلال ہے، اور جہاں عزت ہے اسی کی عزت ہے۔ اس کی اعجوبہ طرازیوں کا کیا ٹھکانا ہے۔ بڑے اور چھوٹے کاموں پر نہ جائیے کہ جو چھوٹا ہے وہ چھوٹا ہی ہے، پر جو بڑا ہے، ہمارے اور آپ کے لحاظ سے وہ بڑا ہی، لیکن جو سب سے بڑا ہے، اللہ اکبر اس کے سامنے بڑائی کس کے لئے ہی؟

اللہ اللہ میں ان دونوں بیتے ہوئے دنوں کو کتنی حیرت کے ساتھ سوچتا ہوں، خیال آتا ہے کہ اس وقت جبکہ ہجری سن کے حساب سے ۱۳۶۰ھ کا سال ہے اس سال کا یہی ربیع الاول الانور الاقدس کا پاک اور برگزیدہ مہینہ تھا، لیکن سن آج سے ٹھیک تیس سال پہلے ۱۳۳۰ ہجری کا تھا، دارالعلوم دیوبند کے مجلہ شہریہ "القاسم" کی ربیع الاول ہی کی اشاعت تھی کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عنوان سے یہی مضمون جو آپ کے سامنے کتاب کی شکل میں پیش ہو رہا ہے شائع ہونا شروع ہوا تھا لکھنے والے کے شان وگمان میں بھی نہ تھا کہ جس مضمون کو ایک مجلاتی مقالہ کی حیثیت سے وہ لکھ رہا ہے وہ کسی زمانے میں کتاب کا قالب اختیار کرے گا۔ اور سچ تو

یہ ہے کہ معلومات و مواد کے جس محدود ذخیرے کو سامنے رکھ کر مضمون شروع کیا گیا تھا، اس کے لحاظ سے اس وقت یہ بات سوچی بھی نہیں جا سکتی تھی لیکن ربیع الاول، ربیع الثانی، بلکہ بعد آنے والے مہینے بھی القاسم کے شماروں پر شمار سے نکلتے چلے جاتے تھے اور بالالتزام اس مضمون کا سلسلہ سب میں جاری تھا، سمجھا جاتا تھا کہ اب ختم ہو جائے گا، لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہر منزل پر پہنچنے کے بعد یہی دیکھا جاتا تھا کہ جتنا لکھا جا چکا ہے وہ اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے جو ابھی نہیں لکھا گیا ہے۔

قرض دینے والا دیتا جاتا تھا، اور لینے والا لے رہا تھا، خود لے رہا تھا اور دوسروں کو دے رہا تھا، اس عرصے میں بعض حوادث بھی پیش آئے، کچھ دن سلسلہ ٹوٹ بھی گیا، بہرحال یہی مضمون جو ۱۳۴۳ھ کے ربیع الاول کی اشاعت سے القاسم میں چھپنا شروع ہوا تھا، بالآخر ۱۳۴۷ھ ہجری کی ماہ ربیع الثانی میں گویا کامل چار سال ایک ماہ میں جا کر ختم ہوا۔

اور یہ اجزا تو اس کتاب کے مضامین کی کمیت کا ہے، کیفیت تو ظاہر ہے کہ مضمون نگاری کی ابتدائی مشق کا وہ زمانہ تھا، واقعی طالب علمی تو اس کی اب بھی جاری ہے اور کہہ کر تہہ بنانے سے پہلے انشاء اللہ تعالیٰ وہ جاری ہی رہے گی لیکن اصطلاحی طالب العلمی کے جرگے سے تقریباً ان ہی دنوں میں وہ علیحدہ ہوا تھا، زندگی کے جس سفر کی آخری منزل اب سامنے ہے اس وقت تک کل تیئیس سال[1]

---

[1] کیونکہ "[illegible]" تاریخی نام ہے (۱۳۰۱ھ) جس کے اعداد اب [illegible] کے [illegible] کر لیا گیا۔ آہ یہی ربیع الاول ہی کا مہینہ ہے، جس سال اس مضمون کی ابتدا ہوئی وہ بھی ربیع الاول ہی کا ماہ مبارک تھا، اور اختتام کو بھی آقا کی امت میں شریک کر کے [illegible]

اس پر گزر سے تھے۔ ایسی حالت میں کیفیت کے متعلق کسی اہمیت کی بھلا توقع ہی کیا ہو سکتی تھی

لیکن آپ ہی کن الفاظ میں ان تعجب آمیز جذباتی احساسات کا اظہار کروں جب اچانک، امام الملۃ، حکیم الامۃ، سیدی الامام مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز کے ایک گرامی نامہ سے اسی مضمون کے متعلق پہلی دفعہ چونکا یا گیا۔ حضرت والا سے شناسائی تھی، کی سعادت اس وقت تک نصیب نہیں ہوئی تھی اس لئے اور بھی تعجب ہوا گر چند سطروں ہی کا وہ عنایت نامہ تھا۔ لیکن حضرت والا نے اس خط کو بھی ایک مستقل نام عطا فرمایا تھا، اور جسے عزت بخشی گئی تھی، وہ بھی ایک خاص خطاب سے نوازا گیا تھا، اسی زمانے میں القاسم کی کسی اشاعت میں اس مکتوب گرامی کو شائع بھی کردیا گیا تھا اور اس وقت بھی موقعہ تھا کہ میں اس نامہ فیض شمامہ کو یہاں بجنسہ درج کرتا، لیکن افسوس ہے کہ باوجود تلاش کے القاسم کے پرانے فائل میں وہ شمارہ نہ ملا، کاش! میری اس آرزو کی تکمیل کوئی صاحب آئندہ زمانہ میں فرمادیں۔

بہرحال جو کچھ یاد رہ گیا ہے اب اسی پر قناعت کرتا ہوں خط کا نام سمجھئے یا عنوان یہ تھا۔

"خطاب من ہذا الفقیر الشاطر"

"الی کتاب السید مناظر"

سلسلہ گزشتہ پیدا کیا گیا اس وقت بھی رہی رہی وہ دل کی وہ تاریکی تھی جو آقا کی تشریف آوری کا جانکاہ و سوز پیدا تھا

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

حضرت ... نے سعادت کی ایک شعر فرمادی وہ ناچیز کی ... فرمایا تھا

جس لقب سے سرفرازی بخشی گئی تھی وہ یہ تھا یعنی خطاب کا آغاز ان
الفاظ سے فرمایا گیا تھا'

"الی سید الکاتبین حسن اللہ منظرہ"

مضمون کے جس حصہ کو پڑھ کر اس خاص عنایت کی طرف حضرت
والا کی جو توجہ ہوئی تھی، اس کے بعد اس کا ذکر تھا، ارشاد فرمایا گیا تھا کہ

"اس مضمون کا لکھنے والا اگر محقق ہو چکا ہے تو"

"یہ مضمون اس کی محققیت کی دلیل ہے" ورنہ"

"محققیت متوقعہ کی دلیل ضرور ہے"

اس مکتوب چونکہ سامنے نہیں ہے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ الفاظ
میں تقدم و تاخر کا اختلاف پیدا ہو گیا ہو لیکن نفس الفاظ انشاء اللہ یہی تھے"
مجھے یہ بھی یاد پڑتا ہے کہ "مجاذیب و مجانین" جو مسلمانوں کے فقراء کی
ایک عام قسم ہے، اس باب میں فقیر نے جن خیالات کا اظہار اور جن مستند
مآخذ کو اس سلسلہ میں پیش کیا تھا، اس پر خصوصیت کے ساتھ زیادہ شاباشی
عطا فرمائی گئی تھی، بلکہ خیال آتا ہے کہ بجز وصیت کے یہ بھی ارشاد فرمایا
گیا تھا کہ آئندہ ان کی مشہور کتاب "التکشف" کو جو صاحب شائع کریں
اس میں مضمون کے اس حصہ کا بھی اضافہ کر دیں۔ واللہ اعلم اس وصیت کی
تعمیل کی گئی یا نہیں

اور یہ پہلی بشارت تھی جو اپنے عہد کے ایک مجدد کے ذریعے
اس مضمون کی کیفیت کے متعلق مجھ تک پہنچی۔

اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا کہ اس زمانہ کے معاصر رسالوں میں بھی اس
مضمون کی نقلیں شائع ہونے لگیں۔ حتی کہ بعد اس کے ایک ہند گسنے نے تو کمال

دیا اگر ابھی مضمون صحت سے رہی شائع ہو سکتا تھا لیکن صبر سے کام نہ لیے گئے اور تکمیل کا انتظار کیے بغیر جلد اول کے عنوان سے شائع شدہ کتاب بنا کر انہوں نے چھاپ بھی دیا۔ مجھے اس کی خبر نہ تھی۔ ایک دوست نے اطلاع دی منگا کر دیکھا، کاغذ خصوصاً قسم اول میں تو انہوں نے گویا ٹ پیپر ہی کا لگایا تھا۔ لیکن کتابت اور طباعت حد سے زیادہ حوصلہ شکن تھی۔ تاہم اپنے فطری استغنا کی بنیاد پر خاموش ہو کر رہ گیا۔

پھر مضمون کی تکمیل کے بعد مطبع قاسمی کے مالک اور مہتمم مولانا طاہر صاحب نے بھی کتاب کی شکل میں دوسری دفعہ اس کو چھاپا۔ مگر افسوس ہے کہ چھاپنے سے پہلے اب کی بھی مجھے مطلع نہ کیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گو کتابت و طباعت کاغذ کے لحاظ سے تو چنداں شکایت کی کوئی بات نہ تھی، لیکن مدراسی نسخہ میں جو نقائص اور غلطیاں رہ گئی تھیں قریب قریب وہ ساری باتیں طبع دوم میں بھی باقی ہی رہ گئیں۔ لیکن درویش کا قہر ظاہر ہے کہ جان درویش کے سوا اور کہاں جا کر ٹوٹ سکتا ہے۔

اس عرصے میں وقتاً فوقتاً بعض اہل نظر کی نظر سے یہ کتاب گزرتی رہی ان نقائص اور خرابیوں کے باوجود میں نے تبریک و تحسین کے ان الفاظ کو ہمیشہ تعجب سے پڑھا اپنے آپ کو جن کا کبھی مستحق نہیں خیال کرتا تھا، مولوی ظفر الملک علوی نے اپنے رسالے ناظر میں ہمیشہ اس کتاب کا اشتہار دیتے ہوئے اقتراناً ان الفاظ کو استعمال کرتے تھے کہ "نرالے اور البیلے" طرز تحریر کا ایک عجیب و غریب نمونہ ہے:

اس سلسلے میں کم از کم میری نگاہ میں جس واقعہ کی حیثیت ایک تاریخی واقعہ کی ہے، وہ اس فقیر اور مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر صدق

و مترجم قرآن کے تعلقات کی ابتدا ہے جس حلقہ میں فقیر اور مولانا کے
تعلقات کو آج خاص امتیاز کی نظر سے دیکھا جاتا ہے شاید ان حضرات کو
بھی معلوم نہیں کہ ابتدا ان کی اسی کتاب "الغفاری" سے ہوئی۔

خاکسار جامعہ عثمانیہ میں "معلم العیاقی" کی خدمت اختیار
کر چکا تھا جامعہ ہی میں ایک دن ایک کارڈ ملا ایسے حروف میں لکھا
ہوا جن سے آشنا نہ تھا اور حروف بھی ایسے کہ اپنی خاص خصوصیتوں کی
وجہ سے ان سے یوں بھی آشنا ہونا مشکل ہی تھا، تاہم کوشش کی گئی اور
بحمداللہ آشنائی میں کامیابی اور کیسی کامیابی! جس کا سلسلہ یہ توقع ہے
کہ ابد تک ان شاء اللہ تعالیٰ باقی رہے گا، "الدنیا" کے ساتھ ساتھ
"الآخرۃ" میں بھی امیدوار ہوں کہ اس کے نتائج سے مستفید ہونے کا
موقعہ بخشا جائے گا۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ مولانا عبدالماجد صاحب نے
اپنے اس سب سے پہلے عنایت نامہ میں ارقام فرمایا تھا کہ تمہاری کتاب
جو مسودہ اگرچہ پڑھنے کے قابل نہ تھی۔ لیکن غالباً کسی کے لکھنے سے میرے
جب اس کو پڑھ لیا تو مصنف کو اس کی محنت کی داد نہ دینا مجھے ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ شاید جرم اور گناہ کی حد تک پہنچ جائے۔ الغرض اسی
قسم کے الفاظ کے سلسلے میں اس رقیمہ مودت سے سرفرازی بخشی گئی تھی اس
میں کچھ ارقام فرمایا گیا تھا، کچھ یاد بھی نہ رہا۔ اور ضرورت اعادہ کی باقی ہی
کب ہے "سچ" اور "صدق" کے صفحات میں "الکتب مقدسہ" کے زیر اثر ان کے
قلم نے جو ابدی نقوش ثبت کیے ہیں ظاہر ہے کہ اب اس سے زیادہ
اس سلسلہ میں اور کیا لکھا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان صوری اور معنوی نقائص اور کوتاہیوں کے

باوجود چند نقائص اس کتاب میں باقی رہ گئی تھیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ
پڑھنے والوں نے اگرچہ
من صنف استهدف ہر مصنف نے دوستانہ بنا لیا
کے فقرے کو ضرب المثل کی حیثیت سے مشہور کر دیا ہے لیکن خدا کے
فضل و احسان کے سوا اسے اور کیا سمجھوں کہ فقیر کو بالکل اس کے برعکس
اپنی اس کتاب کے متعلق
من صنف عُرف ہے مصنف کی اصل ضرب لگی
کا مسلسل تجربہ ہوتا رہا۔

نواب صدر یار جنگ بہادر سابق صدر الصدور ممالک آصفیہ سے
نیاز مندی کے تعلقات گو بہت قدیم ہو چکے تھے، لیکن ان کے سامنے
اپنے تصنیفی کوششوں کو پیش کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔
لیکن جب یہ "انتصاری" ان کی نظر سے اتفاقاً جب گزری تو جو اثر اس کتاب نے
ان کے قلب و دماغ اور ضمیر روشن نے لیا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے
کہ پچھلے دنوں بیسیوں چیزیں یہ فقیر نے لکھیں لیکن شروانی صاحب نے سب کو
پڑھ کر یہی ارقام فرمایا کہ "انتصاری" والی بات کسی میں نہیں۔ ایک مہینہ کے
قریب ہوتا ہے کلکتہ کے مشہور سیاسی مجاہد مولوی راغب احسن ایم اے
کا شفقت نامہ آیا۔ وہ ایک زمانہ تک ڈاکٹر اقبال مرحوم کے حلقہ
نشینوں میں رہ چکے ہیں۔ وہی ارقام فرماتے ہیں کہ تیری کتاب "انتصاری" کو
ڈاکٹر اقبال مرحوم بھی بہت پسند فرماتے تھے۔ بلکہ انہوں نے یہی لکھا ہے
کہ اس کتاب میں حضرت ابوذر کے جس خاص "معاشی نظریہ" کا ذکر کیا گیا
ہے اسی کو نصب العین بنا کر ڈاکٹر مرحوم نے مولوی راغب صاحب کے

آمادہ کیا تھا کہ "ابوذر سوسائٹی" کے نام سے مسلمانوں میں ایک خاص جماعت تیار کرنی چاہیے۔

تیس سال کی مدت کے یہ سوانح ہیں۔ جو اس کتاب پر گزرے لیکن میں ان کوتاہیوں کی وجہ سے جو اس میں رہ گئی تھیں ہمیشہ اپنے آپ کو حق میں پاتا تھا۔ کچھ دن ہوئے ارادہ کرکے بیٹھ گیا۔ اور نظر ثانی میں مشغول ہوا۔ عنفوان شباب کی لکھی ہوئی کتاب کو اپنی کہولت بلکہ شیخوخت کے قریب زمانے میں دیکھنے سے جو کیفیت کسی مصنف پر گزر سکتی ہے گزری تو وہ مجھ پر بھی۔ اور جی چاہا کہ بجائے نظر ثانی کے نئے سرے سے اسے پھر مرتب کردوں۔ اس عرصے میں بعض نئے معلومات بھی مختلف کتابوں میں مل گئے تھے

لیکن پھر خیال آیا کہ ایک خاص وقت میں جو واقعی میری زندگی کا خاص وقت ہی تھا اس کے یاد دلانے کی جو کیفیت کتاب کی موجودہ حالت میں پائی جاتی ہے، جدید ترتیب و تدوین میں وہ بات باقی نہ رہے گی۔ مناسب یہی معلوم ہوا کہ نومشقی کے زمانہ میں جس طرح بھی جو چیز بن پڑی تھی اب اس کو اسی حال میں رہنے دیا جائے بلکہ بعض جاننے والوں نے تو مجھ سے یہ بھی کہا کہ جس حال میں یہ مضمون تم نے لکھا ہے، چونکہ اب وہ حال تمہارا باقی نہیں رہا ہے اس لئے گو یہ ہو سکتا ہے جدید ترتیب و تدوین میں الفاظ اور عبارت کے لحاظ سے کتاب زیادہ

لہ یہ زمانہ میرے شفیق منجھلے بھائی برادرم مولوی سید مکارم احسن گیلانی [illegible] کی وجہ [illegible] ہو گئے۔ کی نے منتخب شب زفاف میں پایا ہے۔ انہی [سے] ہو سکتی تھی جو اسی لئے ان کی اس بات کا مجھ پر خاص اثر پڑا ہے۔

بہتر اور پختہ بن جائے۔ لیکن تاثیر کی جو کیفیت اس میں تمہارے اس زمانے کے باطنی واردات اور احساسات کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے وہ یقیناً نہ پیدا ہو سکے گی، اور یہ واقعہ ہے کہ اس کتاب کے جن تاثیری نتائج کے معائنہ کرنے کا موقع وقتاً فوقتاً مجھے ملتا رہا ہے۔ اپنے بھی دوسرے حضرات پر کتاب کے متعلق ان کا تجربہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ کہ ایک بزرگ جو مجھ سے عمر میں بہت زیادہ تھے حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری قدس سرہ العزیز کی خانقاہ کی حجرے میں ایک دن ان کو دیکھا کہ پلنگ پر لوٹ رہے ہیں اور ہچکیاں بندھی ہوئی ہیں، مولانا رحمت اللہ ان کا نام تھا، مظفرپور وطن تھا، ایک مستقل عربی مدرسے کے ناظم و بانی تھے، اب انتقال ہو گیا رحمۃ اللہ علیہ، بہرحال اس حال میں ان کو پاکر جب میں نے دریافت کیا کہ کیا ہوا؟ فرمانے لگے کیا ہوا؟ خود تم نے ذبح کیا اور پوچھتے ہو کہ تڑپتے کیوں ہو، فرمانے لگے بھائی: ابھی تمہارا مضمون حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا پڑھ رہا تھا، بعض مقامات اس کے ایسے تھے کہ دل بے قابو ہو گیا، اس وقت رو رہا ہوں اور ایک ان ہی کو نہیں متعدد حضرات پر اس کتاب کا اثر یہی پایا گیا ہے،

ان ہی وجوہ و اسباب نے جدید تدوین و ترتیب کے خیال سے از ہٹا دیا صرف کتابت کی غلطیاں جہاں جہاں رہ گئی تھیں حتی الوسع ان کو درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور کچھ جدید معلومات اس عرصے میں جو جمع ہو گئے تھے، ان میں سے بعض ناگزیر اہم باتوں کا اضافہ چند مواقع پر کر دیا گیا ہے۔

ہمارے برادر عزیز مولوی مخدوم محی الدین صاحب (نظام آبادی)

میری تصحیح اور اس اضافہ کے بعد والے مسودہ نسخہ کو پھر قلم سے نقل
کر کے میرے حوالہ کر دیا تھا، جو کئی سال سے میرے پاس پڑا ہوا تھا اب
میرے محترم دوست مولوی غلام دستگیر رشید پروفیسر نظام کالج کی
تحریک سے مولوی اقبال سلیم صاحب (گاہندری) تیار ہوئے ہیں۔ کہ
اس مسودہ و مرتب نسخہ کو صحیح کر کے شائع کریں۔ حق تعالیٰ ان کی اعانت فرمائے
اور ان کا یہ نیک ارادہ پورا ہو

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

خاکسار

مناظر احسن گیلانی

کلیہ جامعہ عثمانیہ (شعبہ دینیات)

۱۱ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قبیلہ غفار کی جائے سکونت

مکہ مکرمہ سے جو کاروانی راستہ پہاڑوں کے دروں اور ریگستانی بیابانوں میں ہوتا ہوا شام و فلسطین کی طرف جاتا ہے ٹھیک اسی شاہراہ کے کسی ایک سمت میں غفار بن ملیل بن ضمرہ ابن کنانہ (اصل نسل عرب تھے) کی اولاد غفار کے نام سے بسی ہوئی تھی۔ عام طور سے اس لفظ کا تلفظ غین کے زبر اور ف کے تشدید کے ساتھ کیا جاتا ہے جو غلط ہے صحیح یہ ہے کہ غین کو کسرہ یعنی زیر اور ف کو بغیر تشدید کے پڑھا جائے یعنی غِفَار۔

[illegible]

[illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

[illegible] بخاری۔ طبقات ابن سعد ج ۴ ص [illegible]

غفاریوں کے اخلاق و عادات

قریش کے رحلۃ الصیف کا ایلاف و شوق انھیں پہاڑی شتروں کی پشت پر پورا ہوتا تھا۔ آئے دن قریشی تاجروں عربی ساہوکاروں کے ہزاروں اونٹ عرب کی منڈیوں کی پیداواروں سے لدے ہوئے شام کی طرف جاتے تھے۔ اور وہاں سے شامی نفیس رومی دولتوں کے انبار عرب لاتے تھے خیال کیا جاتا ہے کہ جوں جوں بازنطینی حکومت شام میں اپنے قدم جماتی گئی عربی تجارت کو خاص ترقی ہوتی رہی۔ مسافروں کی پشت پناہی میں رومی حباروں کا سکہ عرب کی بخوبی گزر ہوتی تھی۔ ان کے لیے ان ملکوں میں ہر طرح کی آسانیاں مہیا ہوتی رہیں تاآنکہ آخر زمانہ میں زوال عرب تجارت سے رومی حکومت نے خشکی کا سلسلہ بھی اٹھا دیا تھا۔

قیاس کا مقتضی ہے کہ عرب کی ان تجارتی ترقیوں پر راستے کے قبائل و اعراب کی نگاہیں ضرور ان پر پڑنے لگیں اور رفتہ رفتہ اس معاملہ نے یہ صورت اختیار کی کہ غفار کے جوشیلے بہادر نوجوانوں سے نہ رہا گیا۔ پھر جیسا کہ جہالت و افلاس اور شجاعت کے مجموعی جذبات و ترکی کا تقاضہ ہے۔ غفاریوں کے ہاتھوں سے دامن صبر چھوٹ گیا۔ گزرنے والے قافلوں پر انھوں نے ڈاکہ زنی شروع کردی۔ بیچارے راہگیر و غریب مسافروں کو لوٹنے لگے اس کے بعد یہ ناممکن تھا کہ ان کی غارت گری اسی حد تک آکر ٹھیر جاتی۔ ہر جرم دوسرے جرم کا مقدمہ ہے' علم النفس کا ایک مشہور مسئلہ

لہ قریش اپنے ملک سے تجارت کی غرض سے دو موسموں میں دو سفر کیا کرتے تھے گرمیوں میں ان کا سفر شام و مصر کی طرف ہوتا اور اس کا نام رحلۃ الصیف یعنی گرمیوں کا سفر تھا اور سردیوں میں یمن کے مرکزی شہروں میں گھومتے پھرتے۔ حالانکہ وہاں کی طرف بھی جاتے تھے اور اس کا نام رحلۃ الشتاء یعنی سردیوں کا سفر تھا قرآن مجید ان کے دونوں سفروں کا ذکر مناسبت کے ساتھ کیا ہے ۱۲

قانون ہے۔ جیسے خلاف جس وقت ایک کمزوری بھی سرزد ہو جاتی ہے تو نتیجہ اب اس کا انسداد مشکل ہو جاتا ہے بسا اوقات یہ بات بہت زیادہ دردناک ہو جاتی ہے۔ غفاریوں کو کیا معلوم تھا کہ راہزنی کے بعد نہیں ہر دو گروہ کے قبیلوں سے روز بھی تاخت و تاراج کی دعوت دیں گے حتیٰ کہ ایسا ہی ہوا۔ غفاری ڈاکوؤں کی ایک جماعت بھی جو صبح کی اندھیریوں میں اکثر قبیلوں پر چھاپے مارتی۔ چراگاہوں پر دھاوے کرکے ان کے اونٹوں کو ہنکالاتی۔[۱]

غفار کا شہر حرام کی تحلیل | ... کہ اگر اسی پر بس ہو جاتا تو ایک حد تک غنیمت تھا لیکن یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ جب عیش پرستی اور مال اندوزی کے ناپاک جذبات کا دلوں اور دماغوں پر تسلط ہو جاتا ہے تو انسان پھر انسان باقی نہیں رہتا۔ اس کے دل و دماغ پر جو رنگ باقی ہے۔ پھر وہ نہ حقوق اللہ کی پرواہ کرتا ہے اور نہ خلق اللہ کی زبان ملامت اسے روک سکتی ہے۔ حرص و ہوا کے دیوتاؤں نے ہمیشہ روحانیت کی دیواروں کو معمورۂ دل سے ڈھا کر برباد کیا ہے حتیٰ کہ احساس عزت و خودداری بھی معطل ہو جاتے ہیں۔

بنی آدم اپنی ہستی آپ فراموش کر بیٹھتا ہے۔ اسے بالکل خیال نہیں ہوتا کہ میری حرکتوں پر دنیا کیا کہے گی۔ خدا کو کیا جواب دوں گا۔

یہی بدحالی یہی ابتری غفاریوں پر آخر میں طاری ہوئی کہ اب تک وہ جو کچھ بھی کر رہے تھے عرب کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی اور ایک حد تک ایام جاہلیت کی بین الاقوامی قانون کے اعتبار سے یہ امر چنداں

۱؎ ملخصاً از طبقات ابن سعد ج ۴

شیخ بھی نہ تھا لیکن اب ان کا قدم اور زیادہ تیز ہوا یعنی اشہر حرم کی تعظیم وتکریم جو عرب اور تمام عرب کے نزدیک خواہ وہ کسی صورت میں ہو ایک مذہبی روایت قومی خصوصیت کی شکل میں مسلم تھی۔

[illegible] مہینوں کی ترتیب [illegible] روایات کے خلاف [illegible] رجب [illegible] [illegible] رجب [illegible] کہتے ہیں [illegible] رمضان [illegible] عرب [illegible] دو ماہ حرام کے تھے [illegible] [illegible] کہتے تھے [illegible] [illegible] [illegible] ڈھکیلا [illegible] مہینوں میں [illegible] [illegible] سال میں [illegible] شروع ہوا [illegible] ذی الحجہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا۔

الا ان الزمان قد استدار کہیئتہ یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض (صحاح)	جس وقت خدا نے آسمان و زمین پیدا کئے تھے [illegible] ہیئت [illegible] وقت [illegible] [illegible] پھر گھوم کر آگیا۔

مگر ان دنیا پرستوں نے اپنے خیال میں محض اس لئے کہ ان چار مہینوں کے فاضلے اوقات سے بلاوجہ ضائع ہو جاتے ہیں متفق ہو کر یہ قانون پاس کر دیا کہ اشہر حرم کی تمام احکام و روایات ایک بے معنی مذہبی ڈھکوسلے ہیں جن میں علاوہ قدامت پرستی کے بڑی خرابی یہ ہے کہ ایک عظیم معاشی نقصان جسے کسی طرح قابل برداشت نہیں غفاریوں کو اٹھانا پڑتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ محض اس عقیدہ کی وجہ سے ہماری رفاہیت تو یہ افلاس و مسکنت کی شکار بن جائے۔

الغرض قبیلہ غفار نے اشہر حرم کی حرمت کو حلال کر کے پھر وہ کھیل کھیلا کہ عرب کی سب سے بہادر قوم قریش بھی ان کی ترکتازیوں سے دب گئی انہیں ہر موقع پر باوجود سید الاقوام ہونے کے ان کی مدارات کرنی پڑتی تھی[1]

آپ کی ولادت اور نام و نسب

غفاریوں پر اسی قسم کے طغیان و تمرد کے بادل چھائے ہوئے تھے لیکن انہیں دنوں میں جنادہ بن کعب بن صعیر بن اوقعہ بن سفیان بن حرام بن غفار کے گھر رملہ بنت ربیعہ کے بطن سے جو ایک غفاریہ خاتون تھیں وہ سعید لڑکا پیدا ہوا جس سے زیادہ سچی زبان والے انسان کو زمین نے اپنی پشت

بٹھا کر گشتہ۔ قرآن مجید نے بھی ان مہینوں میں فساد و جھگڑے منع کیا ہے کہ بد اخلاقی مفسدہ: ۹ ان مہینوں میں ارتکاب جرائم میں زیادہ برائی ہے دوسرے دنوں کے گناہ سے ۔ پھر آگے میں ہے: بے شک یہ ایسا ہے جیسا کہ سرزمین حرم کا ایک خاص خصوصیت ہے کہ گناہ کی جاتی اس میں زیادہ شدید ہو جاتی ہے۔

---

[1] ماخوذ از بخاری

کبھی نہیں اٹھایا تھا اور نہ آسمانوں نے اس سے زیادہ اصدق ترین لہجہ والے کو اپنے آغوشِ ہلال میں پالا تھا اور جو اپنے عیسیٰ جیسی تقویٰ دوری کی وجہ سے اخیر میں مسیح الامۃ کے نام سے ملقب کیا جانے کا بجا طور پر مستحق قرار پایا۔

ماں باپ نے آپ کا نام جندب[1] رکھا اور اسی نام کی وہ پیاری تفسیر ہے جسے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے "یا جنیدب"[2] کے مشفقانہ خطاب میں استعمال فرمایا ہے۔ ابوذر آپ کی کنیت ہے عام طور سے آپ اسی کنیت کے ساتھ مشہور ہوئے۔

ایامِ جاہلیت کے ابتدائی حالات و سیر

بالکل ناممکن ہے کہ انسان جس قوم میں پیدا ہو اُن کے عادات و اطوار کے پرتو اُس پر نہ پڑیں۔ اِلّا ماشاء اللہ غفار ایک غارت پیشہ، راہزن قوم تھی۔ تو کوئی تعجب نہیں اگر حضرت ابوذر غفاری میں بھی اُن کے عادات و خصائل پیدا ہوتے۔ بالآخر یہی ہوا۔ جب کچھ جوان ہوئے، تیر و کمان سنبھالنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔ دست و بازو نے تلوار کے قبضہ کی طرف اشارہ کیا۔ اُٹھے اور جا کر قافلوں کو لوٹ لیا۔ رہزنوں کو بھگا لائے فطری شجاعت نے اُن کو اور بھی زیادہ

---

[1] بعض جگہوں یہ ہے جیسا کہ مشہور ہے آپ کے مناقب میں اس کی تفصیل آئی ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی وہیں کا سیاق ،،

[2] بعضوں نے آپ کا اصلی نام برید بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بھی ہو کیا ایک آدمی کے دو نام نہیں ہوسکتے ،، [3] ابن ماجہ

جری بنا دیا تھا۔ کبھی کبھی زیادہ دور دراز تک تن تنہا راتوں کو قبیلوں پر جا پہنچتے، اور عرب کے بہادر گلہ بانوں کو للکار کر تہ تیغ کرتے ہوئے دشمنوں کو بھگا کر اکیلے اپنے قبیلے تک لے آتے۔ کبھی خیال گزرتا تو گھوڑے کی پیٹھ پر بلا کسی زین کے کا۔ دانتوں کو بالا روٹ گھسوٹ دیتے دیکھنے والوں کا بیان ہے ان کا حملہ پیادہ پا ہوتا تو عجیب چستی و چالاکی سے دشمنوں میں گھستے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ ایک بپھرا ہوا شیر بکریوں پر جا پڑا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھی اس قزاقانہ مساعی پر قوم کے بزرگوں سے خوب خوب دادیں ملیں اور چونکہ جوان طبیعتوں کی اشتعال پذیری کے لئے اس سے زیادہ موثر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اسی وجہ سے انہوں نے راہزنی میں نمایاں حصہ لینا شروع کیا ہوگا اور اس معاملہ میں بہ نسبت اور لوگوں کے ان کی دست درازیاں حد سے گزر گئی ہوں گی۔ اور میرے نزدیک یہی زیادتی شاید ان کے لئے راہزنی سے توبہ مفید ہوئی۔ غالباً ان کی سلیم فطرت بچوں کے مسلسل شور و بکا، عورتوں کی گریہ و زاری سے آخیر میں متاثر ہوئی۔ ناممکن ہے کہ ڈھاڑیں مار مار کر بیچاری عورتیں ان کے قدموں پر روز و شب تڑپتیں۔ اور وہ دل جو قدرت نے ان کے سینے میں ودیعت فرمادیا تھا ان سے نہ پگھلتا۔

آخر پگھلا پسیجا کہ آپ پر اصلی فطرت غالب آگئی۔ اور صحبت کے بد آثار جو جبلی نہ تھے منتشر ہو گئے۔ آپ کو اپنی ظالمانہ حرکتوں پر سخت ندامت ہوئی عقل نے بھی اندرونۂ دل میں رافت اور رحمت کی

باندھ چکا ہیں۔ اور اخیر میں یوں سمجھ لیا کہ وہ جو ہمیشہ گرتوں کو سنبھالتا اور ڈوبتوں کو تیراتا ہے مُردے سے زندوں کو اٹھاتا ہے۔ اُسی کا دستِ کرم ظاہر ہوا اور کھل گیا کہ یہ جو کچھ ہے حرص کی غلامی اور ہوا و ہوس کی پرستاری ہے۔

ادھر خیالات میں یہ انقلاب عظیم پیدا ہوا۔ ضمیر کے دریا کو جنبش میں لے آیا کہ اس کے بعد ہی جیسا کہ ہر تائب کو توبہ کے بعد ہوتا ہے جرائم و معاصی کی مفصل فہرست آنکھوں کے سامنے کھل گئی۔ گزشتہ تعدیوں خونریزیوں کے خیال نے ہوش اڑا دیے۔ آخرت کے خیال نے دل میں ہل چل ڈال دی

اسلام سے پہلے عبادت خدا کا خیال

عرب مشرک ضرور تھے دیوتاؤں اور دیویوں پر انہیں یقیناً بھروسہ تھا اور یہی خدا بھی تمام اعمال ضلالت و خبث میں اُن کے دوش بدوش تھے لیکن قرآن و حدیث ایام و اشعار کی تتبع سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو انہوں نے سرے سے بھلا نہیں دیا تھا، اگر ہم کہیں کہ وہ اپنے تمام معبودوں میں خداوند تعالیٰ کو سب سے بڑا سب سے زیادہ قدرت حکمت والا مانتے تھے تو کبھی بھی غلط نہیں ہو سکتا۔ بتوں کو انہوں نے محض سفارت و شفاعت کا عہدہ دے رکھا تھا اپنی معمولی حاجات یا اور دنیوی ضروریات کو ان کے آگے پیش کرتے تھے ورنہ اگر کوئی امر مہم پیش آجاتا تو اس وقت اُن کی پیشانی بھی خدائے واحد ہی کے آگے جھکا کرتی تھی۔

[illegible]

الله مخلصين له الدين
فلما نجاهم الى البر اذا هم
يشركون۔

خدا کو جب ان سے بچا سکتے ہیں پھر
جب خدا ان کو خشکی کی طرف لے آتا ہے
تو یہی شرک کرنے والے ہو جاتے ہیں

ہے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ بعض تعبیروں سے دور میں زمانہ بتوں کی چنداں وقعت بھی نہ تھی کہ ہم ان کے بت کو خدا کے نام میں عرب کا چپٹ کر جانا ان کی دلی تکریم کی پوری تشریح کرتا ہے

بہرکیف وہ خداوند تعالیٰ کو ضرور مانتے تھے اور سب سے بڑا معبود مانتے تھے۔ اپنے اہم معاملات میں اسی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اس مخصوص سبب کو کہ کوئی خدا ہی اپنی ضرورت ہو۔

اور اسی بنا پر میرا قیاس ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چونکہ اپنی عاقبت کی بدانجامی کا خوف روز بروز بہت زیادہ شدت پذیر ہوا۔ مضطرب ہو کر انہوں نے بجائے اطاعت و اطلاعات و عزتی کے یہی بات قائم کی کہ میرا جرم عظیم ہے میں نے سیکڑوں بیکس مسافروں بچوں اور عورتوں کو بے دردی کے ساتھ ستایا ہے۔ اس لیے اب مجھے اپنی عمر کا باقی حصہ کسی لیے خدا کی عبادت و پرستش میں گزار دینا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ یہی عبادت گزشتہ معصیتوں کی کفارہ ہو جائے۔ اس خیال کا رنگ آپ پر اس قدر گہرا ہو کر چڑھا کہ بغیر کسی تعلیم و ارشاد کے خود اپنے جی سے عبادت کی کچھ صورت مقرر کرلی کہ صرف دل کی پشیمانی

ـــہ آخرکار خیال کا مرد ہیں رہ رہ تھا بلکہ ایک روشن خیال جستجو تھا اور ان چیزوں کو ساتھیوں اور بیعت چیزوں کی وابستگی ہیں ان سے انکا خدا پر ایمان بحیثیت اکر کر نفس اور دنیا کی آرائش کرتا تھا

اور ترک رہبانیت سے عبادت کی حقیقت مکمل نہیں ہو سکتی تھی جیسا کہ فطرت سلیمہ بشریہ کا تقاضا ہے۔

خود فرماتے ہیں۔

ولقد صلیت یا ابن اخی قبل ان القی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث سنین (طبقات و صحیح مسلم)

میرے بھتیجے! میں رسول خدا صلعم کی زیارت سے مشرف ہونے سے تین سال پہلے سے نماز پڑھتا تھا۔

راوی نے پوچھا کہ آپ کس طرف نماز پڑھتے تھے کیونکہ عرب کی شرک و ضلالت کو دیکھتے ہوئے اس کو نماز کا نام سن کر تعجب ہوا آپ نے فرمایا کہ لِلّٰہ (خدا کے لئے)

اس نے پھر پوچھا کہ تو کس طرف رخ کر کے پڑھتے تھے جواب میں فرمایا۔

حیث یوجہنی اللہ — جدھر خدا میرا منہ پھیر دیتے ہیں۔

اور اخیر میں تو گزشتہ اعمال و افعال کی فراوانی دیکھ دیکھ کر اس درجہ آپ پر خشیت مسلط ہوئی کہ تعجب ہوتا ہے۔ خود بیان کرتے ہیں۔

اصلی عشاء حتی اذا کان اخر السحر القیت کانی خفاء حتی تعلونی الشمس (صحیح مسلم مناقب)

میں رات کو عشاء کی نماز پڑھتا اور جب پچھلا پہر ہوتا تو بے خود ہو کر پڑ جاتا اور چادر کی طرح زمین پر پڑا رہتا یہاں تک کہ آفتاب نکل آتا۔

غرض چند ہی دنوں میں حضرت ابوذر غفاری کا رنگ ہی دوسرا

ہو گیا۔ ان چیزوں کے تمام دور ہونے کے باعث دنیا کے جوش و خروش کا ایک شعلہ
بجھ گیا جیسے وہ شادی کی رسمی مباہات میں محو رہتے۔

ترک وطن ایسا خیال ہوتا ہے کہ یہی فضا ہے آپ کی اس باطنی حالت
کا باعث ہوا ہوگا۔ دنیا تو ان باتوں کو وہ ایک جنون
دیوانگی سمجھے ہوں گے لیکن اپنے زمانے کے ایک نہایت بیدار دل ہی کا
خیال بہت کچھ درست ہوگا جو ساتھ ہی اس کے جیسا کہ نفس انسانی کی
فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ [illegible] کی طرف جاتا [illegible]
خیالات اور کوشش کرتا ہے کہ وہ اس میں گزر جائے اسی طرح یقیناً
حضرت [illegible] تعالیٰ عنہ جن چیزوں کو اپنے [illegible]
[illegible] سمجھتے تھے ان سے اپنی [illegible] کے لوگوں کو
[illegible] ہوں کے [illegible] قوت فیصلہ کی طاقت [illegible]
[illegible] ہوتا تھا کہ [illegible] اسلام [illegible] کی بھی پروا
نہیں کرتے تھے جس کی نصیحت [illegible] ترک [illegible]
[illegible] بڑھتے [illegible] تفصیل [illegible] گمان ہے کہ
[illegible] شہر [illegible] کے متعلق ہوگی [illegible] معاملہ زیادہ نازک ہوا [illegible]
[illegible] ہو چکا [illegible] ہو کر آپ نے اس وقت ترک وطن
مناسب سمجھا فرماتے ہیں۔

[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]

اس بے وطنی کے قصے کے بیان میں شہر [illegible] تفصیل [illegible]
معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زیادہ تر فکر اسی مسئلہ پر تھی۔

بہرکیف آپ اپنی والدہ محترمہ اور بھائی انیس کو ساتھ لے کر گھر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہی بنی غفار جس کو کسی زمانہ میں ابوذرؓ کے دست و بازو پر فخر و ناز تھا۔ آہ کس درجہ عبرت ناک نظارہ ہے کہ حق و صداقت کی حمایت کی بدولت وہ اپنے آبائی وطن کو چھوڑ رہا ہے سچائی نے لوگوں کو اس کا دشمن بنا دیا ہے۔ اس کی تمام آبرو عزت محض اس لیے دلوں سے نکل چکی ہے کہ وہ ان کے فسق و فجور پر راضی نہ تھا

نیکی کی داستان گو ساکت ہے۔ اور نہیں بتاتی کہ قوم کے اس معزز انسان پر اس کی صداقت کے بعد کیا کچھ گزری لیکن تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے وہ آئینہ ان کا رخ ہمارے سامنے اس وقت پیش کرتا ہے جب مہذب ڈاکوؤں متمدن غارت گروں کی جماعت کا کوئی آدمی رشوت و خیانت فریب و دغابازی کی عادتوں سے توبہ کر کے محض اپنی حلال تنخواہ پر اوقات گزارنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے چاہے جیسے اس وقت اس کی تمام تر بیدار مغزیاں انتہائی فرومایگی کے لفظوں سے تعبیر کی جاتی ہیں اگر اس سے پہلے وہ اپنے کنبہ کا سب سے زیادہ ہوشمند و جوان بخت فرد تھا تو اس کے بعد جیسے وہ ایک کٹ احمق اور منحوس آدمی بن جاتا ہے۔

اس سے پہلے قوم کا ایک ایک آدمی اس کی عنایت پروانہ خبروں کا آرزومند رہتا تھا۔ لیکن اب لوگوں کو اس کی چیخ پکار کی بھی پرواہ نہیں۔ ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار

جب حق و راستی کے یہ لازمی نتائج ہیں تو اگر ہم یہ کہیں کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے ساتھ بھی ان کی قوم کا یہی برتاؤ ہوا تو کوئی تعجب نہیں

شفقت سے خیموں پر جو ان کے بچپنے کے کھیلنے کی جگہ تھی۔ ان صحراؤں پر جو ان کی شیرخواری کے بازی گاہ رہے تھے آ کر ان سب پر نگاہ حسرت و الم ڈالتے ہوئے وہ رخصت ہو رہے ہوں گے۔ مگر امید نہیں کہ غفار کا کوئی آدمی ان کو روکنے کے لئے اٹھا ہوگا۔ اور غفاری کیا روکتے کہ وہ تو جاہل تھے آج جب تعلیم یافتوں کا یہی حال ہے تو نا بجا ہوں پر رنج۔ خصوصاً بعض ضعیف روایتوں سے جب یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ابوذر جس سال اپنے وطن سے نکلے وہ قحط کا سال تھا قبیلہ والوں نے "نفس" کی اس کمی کو "جان" کی پاکی قرار دی ہوگی۔

ماموں کے یہاں آنا

بہرکیف آپ کی جلاوطنی کی علت خواہ کچھ ہی ہو۔ آپ نے غفار کو چھوڑا۔ قریب کے رشتہ داروں میں آپ کے ایک مہربان ماموں نجد کے بالائی علاقہ میں اقامت گزیں تھے۔ وہیں کا ارادہ کیا۔

قطع منازل کے بعد اس قبیلہ میں پہنچے آپ کے ماموں نے جو اپنی بچھڑی ہوئی بہن (یعنی آپ کی والدہ) کو اس غربت کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا۔ جی بھر آیا۔ بھانجوں کی تسلی کی جیسے خالی کردینے غرض یک ماموں سے جس ہمدردی کی امید ہو سکتی تھی وہاں آپ کو میسر آئی۔ نہایت چین و اطمینان کے ساتھ رہنے لگے۔ یہاں ان کو اپنے مشغلے سے کوئی روکنے بھی والا نہ تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ تجربوں نے آپ کو سکوت و صبر کی تعلیم بھی دے دی تھی کوئی نیا فتنہ بھی نہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ دن اسی طرح آرام و سکون کے ساتھ گزرے۔

لہ [illegible] مسند [illegible] صفحہ ۰

ماموں کے پاس سے روانگی

ماموں نے بھی آپ کی منصب طلبی اور جوہر ذاتی کو پہچان لیا روز بروز ان کی توجہ زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ آخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ماموں کے ہاں آنے جانے والے لوگوں کے دل میں رشک کا مادہ پیدا ہوا۔ ان دونوں بھائیوں نے بہت سے حاشیہ نشینوں کی جگہ لے لی۔ ان کے وہ کام جو اب تک دوسروں کے ساتھ متعلق تھے۔ ان لوگوں کے سپرد ہو گئے۔ الغرض مختلف اسباب وعلل نے اس مادہ کو تیز کیا۔ یہاں تک کہ رشک نے مستقل صورت اختیار کی مخالفوں کی ایک جماعت تیار ہوئی جو ان کے خلاف ہر ممکن کوشش کرنے کی فکر میں مصروف رہتی تھی۔

آپ کے ماموں کبھی کبھی سیر و شکار کی غرض سے گھر سے باہر چلا جایا کرتے تھے۔ مخالفوں نے اس کو غنیمت سمجھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ بعضوں نے مل کر آ کر کہا کہ

> جناب جب آپ باہر جاتے ہیں اور گھر میں کوئی نہیں رہتا تو آپ کے بھانجے انہیں گھر والوں پر افسری کرتے ہیں وہ ہر قسم کی ابتری پھیلا دیتے ہیں ان کی وجہ سے لوگوں کی ناک میں دم ہے۔

آپ کے ماموں کی عنایات گو آپ کے بھائی پر بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھیں اور شاید اسی وجہ سے شکایت کا ان پر کوئی غیر معمولی اثر بھی نہ ہوا تاہم وہ آدمی تھے۔ ایک دن موقع پا کر انہوں نے پوچھ لیا کہ بھائی انہیں ایسا کیوں کرتا ہے۔

اس جملہ کا سننا تھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے تاب ہو گئے۔ ایک تو اس لئے کہ وہ فطری طور پر ایک گرم مزاج کے آدمی تھے دوسرے غربت و مسافرت میں انسان کا دل بہت چھوٹا ہو جاتا ہے۔ وہ کسی کی معمولی بات کی بھی تاب نہیں لا سکتا۔ یہ واقعہ بھی ہے۔ دوسرے یہ بات فقط، اور ممکن ہے کہ انجام کا بھی خیال آیا ہو کہ اگر اسی طرح ہم لوگوں کی شکایتیں ہونے لگیں تو اگر ابھی معاملہ زیادہ خطرناک حد تک نہیں پہنچا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ آئندہ ہمیں اپنے ماموں کے گھر سے بے عزت ہو کر نکلنا پڑے۔

بس پھر کیا تھا۔ حضرت بھرے بیٹھے تھے آپ نے اپنے ماموں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

آپ نے تمام گزشتہ احسانات کی قدروں کو مکدر کر دیا

بس اس کے بعد ہمارا اجتماع آپ کے ساتھ ممکن نہیں۔

اور اپنے اونٹوں پر لد کر بلا کسی توقف کے روانہ ہوئے۔

بچارے ماموں کو کیا خبر تھی کہ محض اتنی سی بات پر بھتیجے ابوذر کا یہ حال ہوگا وہ تو ہکا بکا ہو کر رہ گئے۔ روکتے تھے، تسلیاں دیتے تھے مگر یہاں کون سنتا ہے وہ وقت بھی نہایت دردناک تھا جب ان لوگوں کے اونٹ اس قبیلے سے نکل رہے تھے خود حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔

فغطّى خالنا ثوبه وجعل يبكي فانطلقنا حتى نزلنا بحضرة مكة

غرض ماموں جان بھی روئے اور آپ کو یہاں سے بھی رخصت ہونا پڑا۔

ــه مسلم شریف [illegible]

مکہ کی طرف رخ کرنا

مکہ جو عرب کا مشہور شہر تھا، اپنے اونٹوں کو اسی طرف پھیر دیا خاص شہر میں تو جانا آپ نے مناسب نہ سمجھا لیکن اس کے گرد کسی قریب کے گاؤں میں قریش سے دور جیرہ دو باش اختیار کرلی۔ اس پر کچھ دن گزرے تھے کہ اسی عرصہ میں آپ کے بھائی انیس کا جو ایک زبردست شاعر تھے کسی دوسرے شاعر سے مقابلہ ہو گیا۔ انیس اپنے اشعار کی تعریف کرتے اور انہیں بلند پایہ بتاتے اور دوسرا اپنی شاعری کی مدح سرائی کرتا اور اسے بڑھاتا۔ الغرض اس زور شور تک میں شرط کی نوبت آگئی۔ بات اس پر طے ہوئی کہ اپنے وہ اپنے برابر بیٹھنے والے کے مقابل ہے۔ ایک کاہن مقرر ہوا اور دونوں اس کے پاس حاضر ہوئے[1]۔ خوش قسمتی سے کاہن نے حضرت انیس کے موافق فیصلہ دیا، ان کے اشعار کو دوسرے شعروں سے بہتر بتایا۔ حضرت انیس خوش خوش اپنی ریوڑ کے ساتھ اس کے دیار بھی قیام گاہ پر چلے آئے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اس تائید غیبی پر بہت مسرت ہوئی

دربار نبوی تک باریابی کے اسباب

وہ زمانہ تھا کہ آفتاب رسالت ابراہیمی کے تمام دنیا کے لئے تازہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت قدسیہ کا آفتاب طلوع ہو چکا تھا، قرآن کا اتر نزول وحی بعثت کے واقعات گزر چکے تھے۔ اسلام کی تبلیغ کی آواز عشیرہ

؎ [illegible]

؎ [illegible] کو عرب کی مشہور شاعرہ خنساء تھی

رتبہ ہی سے گئے۔ کہ یہ قوم ابتری میں گرتی چلی تھی۔ گھر گھر اس نئے دین ظاہر ہونے غالب کا چرچا تھا گھرانوں میں اسلاف پرستی کے جذبات موجزن تھے۔ بچوں سے بوڑھوں تک اپنے خود تراشیدہ معبودوں کی تائید میں سرشار ہو رہا تھا۔

سوداگروں اور مکہ میں آکر بازار کرنے والے اعراب و مسافر بھی کان کھڑے ہو چکے تھے مگر جو باہر جاتا وہ اس خبر کو اپنے شناسا ملنے جلنے والے کو تعجب سے سناتا تھا۔

اسی عرصہ میں کسے کوئی مسافر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑاؤ کی طرف گزرا۔ آرام لینے کے لئے کچھ دیر شاید وہاں ٹھہرا ہوگا باتوں میں بات پیدا ہوئی۔ معلوم نہیں حضرت ابوذرؓ کے خیالات سے اسے پہلے سے واقفیت تھی یا اسی وقت ان کی گفتگو سے اسے معلوم ہوا کہ آپ بھی ایک ہی خدا کے ماننے والوں میں سے ہیں۔ بہرکیف اس نے کہا۔ ابوذر! یہ تم جو کچھ کہتے ہو مکہ کا ایک شخص بھی اسی کا مدعی ہے دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کلام نازل فرمایا اور اسے اپنا پیغمبر بنایا ہے۔ خدا کا حکم ہے کہ اس کے علاوہ اور کسی معبود سے کوئی واسطہ نہ رکھو۔ اس نے تو روا روی میں یہ خبر سنائی۔ لیکن ادھر حضرت ابوذر کا دل بلیوں اچھل پڑا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گوہر مقصود کی چمک نے ان کے دل و دماغ کو روشن کر دیا۔ سمجھ گئے کہ وقت قریب ہے دل کی بے چینی کی دوا آسمان سے اتر چکی ہے۔

سنتے ہی سنبھل کر بیٹھ گئے اور نہایت اضطراب کے ساتھ سوال کیا

؎ طبقات ص ۵۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرنے لگے۔

کہ ان کا اصلی وطن کہاں ہے۔ کس قبیلے کے آدمی ہیں۔ کس گھر کے کس خاندان سے ان کا تعلق ہے۔

راہ گیر نے سارا نشان پتہ بتا دیا کہ وہ مکہ کا باشندہ ہے اور قبیلہ قریش کے ممتاز خاندان کا آدمی ہے عہ۔

اس قدر پوچھ کر آپ چپ ہو گئے۔ دل میں ایک اضطرابی کیفیت تھی جو دوڑ کر ان کو مکہ معظمہ کی طرف گھسیٹ کر لے جانا چاہتی تھی۔ لیکن کچھ اپنے بت پرست بھائی کا خیال کچھ ضعیفہ ماں کی خاطر سے دل میں اس تڑپ کو دبائے بیٹھے رہے جو تبلیغ کے بعد ہر سینے و دل میں خود بخود بلا کسی دلیل و حجت کے پیدا ہوتا ہے۔ عقیدت و محبت کا ایک دریا تھا جو سینۂ اویسؓ میں جوش زن تھا۔ نہیں سمجھتے تھے کہ کیا ہے اور کیوں ہے۔ مگر تھا اور وہ اس کی ہیجان سے بے کل تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں مگر یہاں تو سعادت آپ کی پیشانی پر جھلکی تھی آپ کے رشد و ہدایت کا سامان آسمان پر کیا گیا تھا۔ انھوں نے یکایک آپ سے آکر کہا "بھائی جان! میں ذرا مکہ جاؤں گا۔ آپ ذرا اماں کی نگہداشت فرمائیے گا۔ ان کے چارہ پانی کا خیال رکھیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ جلد واپس آتا ہوں"۔

ایک ستم ظریفی یہ بھی سن لی، وہ تمام زندگی در اس پر آ آ کر رہ گئی۔

عہ حیات [illegible] صحیح مسلم۔

عہ [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ حضرت [illegible] نے حضرت [illegible] کا عمر [illegible] صحیح مسلم سے معلوم ہوتا ہے [illegible] دونوں میں تطبیق [illegible] کہ جو حالت لکھی ہے [illegible]۔

خدا جانے حضرت ابوذرؓ نے کیا دیکھا سامنے سے کیا چیز تڑپ کر نکل گئی مگر ذرا کچھ سوچ کر آپ یک لخت ٹھہر گئے اور خود ساختہ طمانیت و سکون طاری کرتے ہوئے۔ جیسے کہ ممکن ہے کہ کسی بد نام و ناکام کو چہ محبوب سے دوچار ہو گیا ہو اور آنے جانے والوں سے کسی کی خیریت و سلامتی بھی انداز کے ساتھ پوچھتا ہے۔ غرض آپ نے اجازت دی اور اصل مقصد کو جس پر نم نگاہ ہو۔ محبوب کو دل دوز نعرے ہیں جو کیا ہے ہیں اسے بجنسہ فارسی سے نقل کرتا ہوں۔

ارکب الیٰ ھند انوذی او	[illegible]
لی عند ھند الرحل الذی	[illegible]
یوم ادی یاتیہ الخمیہ	[illegible]
من السماء وسمعہ من قولہ	[illegible]
ثم انثنی ...	[illegible]

اور حضرت انہیں ذکر رواں ہو رہے۔ ادھر ایک شعلہ نشاط تھا جو کے رخصت ہوتے ہوئے حضرت ابوذرؓ کے دل و جگر میں بھڑکنے لگا۔ وہ کڑی شدت پکڑ رہی تھی۔ حتی کہ اس کشش کو آپ اسلام کے بعد بھی نہ بھولے تھے یہی داستان سناتے ہوئے فرما دیتے

فرات علویؓ	جیسے میت دیکھا فی

بہرکیف دیر ہو گئی تھی اور انہیں لیکن حضرت ابوذرؓ پر یہ وقت بہت گراں گزرا اور شاید اس سے زیادہ شکایت کسی تڑپتی کی انہوں نے کبھی نہیں کی۔

ﮧ جنات۔

حضرت انیسؓ واپس ہوئے ایک معمولی انداز کے ساتھ ملے اور پھر پوچھا کہ اتنی دیر تم نے کہاں لگائی۔ حضرت انیسؓ نے فرمایا کہ "اسی آدمی سے ملنے میں دیر ہوئی۔ اس کا طریقہ وہی ہے جو آپ کا ہے اور وہ اچھی عادتوں کی تعلیم دیتا ہے اور یہ سمجھ ہے کہ وہ اپنے آپ کو رسول گمان کرتا ہے۔

حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ پوچھا کہ واسے ان کو کیا کہتے ہیں کیسا آدمی سمجھتے ہیں۔ انیسؓ نے کہا کہ اسے کوئی شاعر کہتا ہے اور کوئی کاہن کہتا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس موقع پر نہایت نشاط و مسرت کے ساتھ اپنے اسلام کی حالت بیان کرتے ہوئے خاص اس مقام پر فرمایا کرتے تھے۔

"انیس حالانکہ ایک اچھا شاعر تھا مگر اس نے یہی کہا کہ صاحب میں نے شعر سنے اور ان پر ان کے شعروں کو خوب جانچا شعر تو وہ یقیناً نہیں ہیں۔ رہا کاہن تو میں بیٹھ کر کاہنوں سے بھی ملا ہوں ان کی باتیں سنی ہیں لیکن اس شخص کے کلام کو ان کی گفتگو سے کوئی واسطہ نہیں قسم خدا کی وہ سب سے سچے ہیں یقیناً وہ سچا ہے وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں نیکی کا حکم کرتے ہیں بدی سے روکتے ہیں؎"

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا حال ہوا۔ پوچھنے کی ضرورت

؎ صحیح و صفحات ۹۰

نہیں۔ ناصح جب دل گرفتوں کا ہم خیال و ہمدم بن جائے تو اس وقت
اطمینان کی جو خنکی دل میں محسوس ہوتی ہے حضرت ابوذر کے سینہ کو
اسی سے ٹھنڈا سمجھنا چاہیے۔

حضرت انیس کے خیال کے اس انقلاب نے ان کے تمام غم غلط
کر دئے اور ایک مسرورانہ لہجے میں فرمایا۔

ما شفیتنی مما اردت (بخاری)	جس مقصد سے میں نے بھیجا تھا اس میں تم نے میری تشفی نہیں کی

اس کے بعد کہا کہ انیس:

اکفنی اذهب فانظر (طبقات)	تم میرے گھر کی نگرانی کرو میں جاتا ہوں اور خود دیکھتا ہوں۔ چنانچہ خود بھی روانہ ہو گئے اور اسی وقت مکہ کی طرف روانہ ہو گئے

سفر مکہ: یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اس وقت کیا کر رہے تھے لیکن شیراز کے بلبل نے صدیوں کے بعد اس اشتیاق
و بے چینی کی تصویر ان لفظوں میں کھینچی ہے جس کا نقل کرنا اس موقع پر ناموزوں
نہیں۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم — راحت جاں طلبم وز پے جاناں بروم
چوں صبا با دل بیمار و تن بی طاقت — بہواداری آں سرو خراماں بروم
دلم از وحشت زندان سکندر بگرفت — رخت بر بندم و تا ملک سلیمان بروم

سکندر کا ملک اور زندان سے مراد ... سلیمان کا ملک ... مصرع میں جو
... سکندر شکستہ ... اس طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

دردا او چو قطرہ گر بسرم باد رفت | با دل دردکش و دیدۂ گریاں بردم
خذ کردم کہ گر ایں لعل بسر آمد روزے | آہ صد میکدہ شاداں و غزل خواں بردم
بہ ہوا داری او ذرہ صفت رقص کناں | تا لب چشمۂ خورشید درخشاں بردم

آخر وہ ذرہ اڑا جو غفار کے خانوادہ میں چشمہ خورشید سے ملنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا محمد بن اسمٰعیل بخاری اور محمد بن سعد کاتب واقدی راوی ہیں کہ اس کی پیٹھ پر ایک چھوٹی سی سیاہ مشک پانی سے بھری لدی ہوئی تھی اور زنبیل میں تھوڑے سے مقل[1] کے دانے تھے تلاش محبوب میں تنِ تنہا حجاز کے ریگستانوں کو طے کرتے ہوئے وہاں جا رہے تھے جہاں جانے کے بعد پھر انہیں کسی جگہ جانے کی ضرورت نہیں ہوئی۔

جذبۂ شوق نے منزل کو آسان کیا اور سامنے مکہ کا سواد نظر آیا۔ نہیں بتایا جا سکتا کہ حضرت ابوذر غفاری نے اس سے پہلے بھی کبھی افق سے امید کی صبح کو اس طرح طلوع ہوتے ہوئے دیکھا تھا یا نہیں۔ آج وہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں ہیں لیکن جگر سوختوں سے اب بھی پوچھ سکتے ہو جن کے سامنے قبر غفار اپنے مسکراتے ہوئے امید جمال سے یکا یک ظاہر ہوتا ہے اور شدت والے تڑپ تڑپ کر کبھی اپنی بازوں کو بھی بھینچے ہیں فالحیوٰۃ حیوٰتہم والممات مماتہم۔

---

[1] مقل کے نام سے کوئی [illegible] ہیں جو [illegible] اور [illegible] میں [illegible] مولوی [illegible] صاحب [illegible] سمجھتے ہیں کہ [illegible] کے جنگل [illegible]
[illegible]

ان کی مستی اور مجھ سے نہ پوچھو کہ میری ایسی قسمت کہاں تھی

الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

تعریض حسن

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

آمدہ بہ ست نگر

اے خاتم پیمبر

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	للمبدء والمحشر
[illegible]	للاکبر والاصغر
[illegible]	للاول والآخر
[illegible]	[illegible]

آمدہ بہ ست نگر

[illegible]	[illegible]	باقیہ

ہاں وہ بتا سکتے ہیں جو "روضۃ من ریاض الجنۃ" کی گل بیزیوں سے وارفتہ ہو کر۔

ابر سو گرتا [illegible] آزردہ صبا سے   آہ [illegible]

[illegible]   [illegible]

آمد بہ رت بگر

[illegible]

[illegible]   [illegible]

[illegible]   [illegible]

[illegible]   [illegible]

[illegible]   [illegible]

آمد بہ رت بگر

[illegible]

[illegible]   [illegible]

[illegible]   [illegible]

[illegible]   [illegible]

[illegible]   [illegible]

[illegible]   [illegible]

[illegible]   [illegible]

[illegible] ما بین بیتی ومنبری
روضۃ من ریاض الجنۃ

[illegible]
[illegible]

واعظ مکن نصیحت شوریدگان کہ ما   با خاک کوی دوست بفردوس ننگریم

چھوٹے ہیں۔ آہ! کہ یہی کی آخری تمنا۔

[illegible]   آہ جہت جگر

[illegible]

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

آہ جہت جگر

زگردش [illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible] [illegible]

[illegible]

زین پیشتر کہ عمر گران مایہ بگذرد   بگزار تا مقابل روے تو بگزریم

کے سوا وہ کبھی بھی کچھ نہیں۔ یہی خطوبی لعمرو حسن صاحب وجیہ رضی

اللہ الا فند [illegible]

شہ صد گرانت [illegible]   [illegible]   تا بیک [illegible]

[illegible] ان   [illegible] ان

[illegible] شعال   [illegible] ان

[illegible] ان   [illegible] شورش [illegible] ان

[illegible] ان   [illegible] ان

[illegible] ت و بیان   [illegible] ان

[illegible] ان   [illegible] ان

فی النعت و مدائح

[illegible]   [illegible]

[illegible]   [illegible]

فاللیل منہ یجلی   [illegible]

[illegible]   [illegible]

[illegible]   [illegible]

[illegible]   [illegible]

اللہم صل علیہ و سلم و بارک   [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بہ حیثیت شہادت اور [illegible] وہ مکہ میں داخل ہوئے تو دل میں آپ کی کسی سے جان پہچان تک بھی نہ تھی سامنے حرم نظر آیا سیدھے اسی طرف تشریف لے گئے اور ایک بے کس مسافر کی طرح نہ جانے کس کے انتظار میں وہیں بیٹھ رہے [illegible]۔

مکہ مکرمہ کے تیس دن

حرم میں قریش کے لوگ ہر وقت آتے جاتے رہتے تھے اور یہ سنا تھا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بہت جوشی سے بات کرکے ان تک پہنچ جاتے جس کے لئے قبیلہ غفار سے سفر [illegible] تھی اور وہاں سے حرم تک آ گئے لیکن [illegible] تھا کہ اس انسان کو جس سے زیادہ کوئی انسان ممکن نہیں بت پرستوں کے ڈر سے [illegible] رکھا جائے۔ بخاری میں ہے۔

ما التمس النبی صلی اللہ علیہ	[illegible]
وسلم وکرہ ان یسال عنہ۔	[illegible]

آپ کو پہچانتے نہیں تھے اور ڈر سے پوچھ نہیں سکتے تھے [illegible] کی دل پہچانے گا اسی تلاش میں دن گزرتے جاتے تھے لیکن کوئی پروا نہیں تھی کہ توشہ اپنے جو کچھ ساتھ تھے وہ بھی ان کے پاس نہیں رہے زنبیل خالی تھی گرہ میں دھیلا تک نہیں تھا۔ بھوک نے حضرت ابوذر کو بے چین

بقیہ سلسلہ گزشتہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کر دیا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ استقلال کے پاؤں اس وقت ڈگمگا جاتے آپ کی آن ٹوٹ جاتی، لیکن یہ سرمستی ایسی نہ تھی جو بھوک کی ترشی سے اتر جاتی۔ آپ نہایت اطمینان کے ساتھ اُٹھتے اور زمزم کے چند چلوؤں سے تھوڑی دیر کے لئے اس بھوک کو بجھا دیتے پھر اگر ستاتی تو اس سے زیادہ جواب آپ کی طرف۔ ۳۰ دن کی مدت میں اس استعمال کا یہ اثر ہوا کہ کبھی نہیں رہ گیا آخر ذرا سی سیری، وہ چند گھونٹ حلق سے پار کر گئے اور بس۔

غرض کہ اسی طرح جب صبح کا آفتاب طلوع ہوتا تھا تو حضرت ابوذر کی نگاہیں اس کی روشنی میں صرف اسی آفتاب کو تلاش کرتی تھیں۔ جس سے دلوں کی رات دن ہوتی تھی اور رات ہوتی تو اس کی اندھیریوں میں بھی آپ کی نظریں اسی تارے کو ڈھونڈتی تھیں جس نے دنیا کے سیکڑوں بھٹکے ہوئے قافلوں کو سیدھی پگڈنڈی پر ہمیشہ کے لئے لگا دیا۔ انتظار تھا جو ختم نہیں ہوا تھا۔ فراق تھا جس کی جگر سوزی آناً فاناً بڑھ رہی تھی۔ بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

قریش کا ظالمانہ برتاؤ

ایک دن اسی درمیان میں آپ کو خیال گذرا کہ جس کو ڈھونڈتا ہوں اگر وہ نہیں ملتے تو چلو! اس کے کسی غلام ہی سے پتہ پوچھیں۔ غیرت کا تقاضہ اگرچہ ترک صرف خاص دل تک محدود ہے۔ لیکن اگر ان کی جماعت کا کوئی آدمی مل جائے تو اس سے پوچھنے میں کیا مضائقہ؟

غرض یہ سوچ کر آگے بڑھے۔ اتفاق سے ایک بھولا بھالا شکستہ آدمی حرم میں داخل ہوا۔ چوں کہ خوف زدہ تھا سر اُٹھا کر قریش نے شاید

۱؎ مسلم و طبقات

اس کی طرف سے بے التفاتی برتی ہوگی۔

آپ نے قیاس کیا کہ اس جماعت کا جو حال بیان کیا جاتا ہے وہ اس شخص سے بہت مطابق ہے۔ اسی سے دریافت کرنا چاہیے۔ قریب پہنچے اور پوچھا۔

این هذا الذی تدعونه الصابی	جس کو تم لوگ صابی کہتے ہو کہاں ہے۔

لیکن واس آپ کو دھوکہ ہوا۔ وہ واقع میں کفار کے گروہ کا آدمی تھا۔ اس وحشت ناک سوال کے سنتے ہی اس کا ماتھا ٹھنکا، بلکہ یقین ہو گیا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت کا آدمی ہے۔ جواب تو کیا دیتا یکایک اس نے چیخ ماری۔

هذا الصابی	لو یہ صابی ہے

قریش اس وقت مسلمانوں کی طرف سے بھرے بیٹھے تھے، ہر شخص گوش بر آواز رہتا تھا اس کی آواز بجلی بن کر کانوں میں کوندی۔ پھر جو کچھ ہوا وہ حضرت ابوذرؓ ہی کی زبانی سنیے۔

فمال اهل الوادی بکل مدرة وعظم فخررت مغشیا علی (دفعتہ بیہوش)	تو پھر تو وادی والے ہر ڈھیلے اور ہڈی سے مجھ پر ٹوٹ پڑے (اور اس قدر مارا) کہ میں بیہوش ہو کر گر پڑا۔

محبت کی امتحان گاہ میں غفار کا ایک رئیس و بہادر سردار بصد مظلومی و بیکسی خدا کے سامنے حرم میں بت پوجنے والوں کی لاتوں سے روندا جا رہا تھا لیکن عشق کے فرشتے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کو تھامے ہوئے تھے، ہوش آیا۔ خدا جانے کس وقت آیا اور کتنے مظالم کے بعد آیا

گر جب آیا تو آشفتہ سری بحال تھی۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ اور زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ خود فرماتے تھے اور نہایت شگفتگی سے فرماتے ہیں۔

فارتفعت حین ارتفعت	پھر جب ہوش آیا اس وقت اٹھا تو ایسا
کانی نصب احمر فاتیت	ایک سرخ بت تھا یعنی خون میں نہایا ہوا
زمزم فشربت ماءھا و	تھا اس وقت زمزم پر آیا پانی پیا اور
غسلت عنی الدماء (مسلم)	خون دھویا۔

بدن سے خون نکل رہا ہے۔ کپڑے لہو میں لت پت ہو گئے ہیں لیکن کسی کی شکایت ہے اور نہ گلہ۔ نہایت اطمینان سے زمزم پر آتے پانی پیا۔ خون دھویا۔ ارادہ کی مضبوطی میں کوئی تغیر نہیں کہ اس خیال ہی اور تھا۔

حافظ چو رہ بکنگرۂ کاخ وصل نیست
با خاک آستانۂ این در بسر بریم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

وضعداری کا ایک وہ زمانہ تھا کہ ماموں کی معمولی سی شکایت پر آپ نے ہمیشہ کے لئے ان سے قطع تعلق کر لیا اور آج محبت کی کرشمہ سازیوں کا نظارہ اسی آسمان کے نیچے دیکھئے کہ پتھر مارے جاتے ہیں، ہڈیاں ٹوٹتی ہیں، لہو بہتا ہے، دھکے دئے جاتے ہیں لیکن پاؤں نہیں ہٹتا حرم کے دروازے سے "پندارم تری" کی امید میں لگا، انتظار ہی نہیں بلکہ احساس تک نہیں کیا ہوا اور کیا گذری۔

اولئک یجزون الغرفۃ	یہی لوگ ہیں جن کو بہشت کے بالاخانے
بما صبروا ویلقون فیھا	ان کے صبر کے بدلے میں دئے جائیں گے اور وہاں
تحیۃ وسلاما	پائیں گے سلام و تحیۃ۔

کہا جاتا ہے کہ یہ بات کی کوئی اصل نہیں حتی کہ میں نے بعض کی
یہ بھی سنا کہ صدقہ فطر میں خشوع و خضوع کی بھی ضرورت نہیں اور دلیل
بیان کی جاتی ہے کہ صحابہ سے یہ باتیں منقول نہیں۔

حالانکہ دعا یہ بر اسر غلط ہے۔ آثار و حدیث سے ہم قطع نظر بھی
کریں تو قرآن کی یہ آیتیں

والذین یبیتون لربھم سجدا و قیاما	اور جو رات گزارتے ہیں اپنے رب کے لئے۔

اس کا حق ہے اگر صحابہ اس کے مصداق نہیں تھے تو اور کون دعوی کر سکتا
ہے یا نہ۔

انھم کانوا قبل ذلک محسنین کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون وبالاسحار ھم یستغفرون وفی اموالھم حق للسائل والمحروم	وہ اس سے پہلے نیکوکار تھے رات کو بہت تھوڑی دیر سوتے تھے اور پچھلے پہر گناہوں کی بخشش طلب کیا کرتے تھے ان کے مالوں میں مانگنے والے اور محتاج کا حق تھا۔

• والذین جاھدوا فینا کے بارہ میں یہ تفسیر بھی بیان
زیادہ کیا ہے صحیح ہے کہ جو خضوع کے بغیر نماز کا بوجھ گردن سے ٹل جاتا ہے
لیکن کس نے کہا کہ آخرت کی مصیبت بھی ایسی نمازوں سے ٹلنے والی ہے۔
حالانکہ عذاب دینے والا تو فرماتا ہے۔

قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون	کامیاب ہوئے وہ مومنین جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

تو کیا اس طرح کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی اجمعین نہیں تھے

مطہرین اگر مان بھی لیا جائے (حالانکہ نہیں مانا جا سکتا) کہ صحابہ میں مجاہدت کا رواج نہ تھا تو حق یہ ہے کہ جن سربلندوں نے اسلام سے پہلے ہی اپنے آپ کو اس طرح مٹا دیا تھا جس کی ایک ادنیٰ نظیر یہی واقعہ ہے اور ابھی حضرت ابوذر کی سوانح میں آنے والے ہیں ان کے لئے کسی دوسرے "مجاہدہ و ریاضت" کی شاید ضرورت بھی نہ تھی۔

لیکن جو ابتدائے اسلام سے اس وقت تک سبیل اللہ کے کسی شعبہ میں آزمایا نہیں گیا۔ کیونکر ان دعووں کو زبان تک لا سکتا ہے جس کو میں سنتا ہوں اور ان کی عقل پر عقیدۃً اور اپنی عقل پر عملاً ہنستا ہوں۔

بہرحال تحقیق ان کی اس طویل مدت میں علاوہ اس واقعہ کے اور کیا کیا حوادث وقوع پذیر ہوئے مجھے اس کی تفصیل زیادہ نہ معلوم ہو سکی اور جو کچھ ہیں بھی ان میں ظاہراً سخت تعارض ہے حتی کہ متاخرین بھی کو مجبور ہو کر لکھنا پڑا۔

وفی التطبیق بین الروایتین — دونوں روایتوں میں تطبیق بہت ہی

تکلف شدید — سخت تکلف ہے

حافظ ابن حجر کے مشورہ سے یا روایات کے تتبع سے جس نتیجہ تک میں پہنچا ہوں بہ ترتیب ذیل اسے درج کرتا ہوں۔

پہلا واقعہ

یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے اس حادثہ کے بعد بھی حرم محترم کو نہیں چھوڑا۔ جو دعوت حق بند کی تھی کیا معلوم ہوتا ہے انھیں دونوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ادھر گذر ہوا اگرچہ آپ کی عمر بہت تھوڑی تھی لیکن قسمت کی بہتری میں اس وقت بھی کیا کلام

۱؎ فتح الباری جزء ۷ صفحہ [illegible]

ہو سکتا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ ایک طرف ایک شکستہ حال مسافر پڑا ہوا ہے آپ کو رحم آیا قریب آ کر دریافت فرمایا۔

ممن الرجل	کہاں کے آدمی ہو

حضرت ابوذر نے کہا۔

من غفار	قبیلہ غفار سے ہوں۔

فرمایا۔

قم الی منزلک	اپنی وردگاہ کو تشریف لے چلیں۔

مقصود یہ تھا کہ میرے گھر چلیں۔ مسجد میں تکلیف ہوگی۔

حضرت ابوذرؓ چونکہ دھوکہ اٹھا چکے تھے، اظہار مدعا نا مناسب نہ جانا۔ اُٹھے اور چپ چاپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ گھر تک پہنچے خود فرماتے ہیں کہ نہ انھوں نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ میں نے کہا۔

صبح ہوئی اور سیدھے حرم پہنچے اپنی زنبیل اور مشک رکھ کر مکہ کے کوچہ و بازار میں شام تک مصروف جستجو رہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ مغرب کے بعد پھر حضرت مرتضیٰ علیہ السلام پھر تشریف لائے دیکھا کہ مسافر اب تک موجود ہے آپ نے پھر فرمایا۔

اما آن للرجل ان یعرف منزله	کیا آدمی کیلئے ابھی ٹھکانہ کا وقت نہیں آیا!

آپ اٹھے اور بغیر اسی خاموشی کے ساتھ آج کی رات بھی گزر گئی ایک دوسرے کو کیا معلوم کہ دونوں ایک ہی فراق کے نخچیر ہیں

حضرت ابوذر پھر صبح ہوتے ہی حرم میں آ دھمکے اور دن بھر گھومتے رہے لیکن قسمت چیتا رہی تھی کہ جا اور وہیں حرم میں بیٹھ دیکھا کہ پھر کیا ہوتا ہے۔

دوسرا واقعہ یا دولت بیدار

قیاس کا مقتضیٰ ہے کہ آج کسی خاص ضرورت نے حضرت مرتضیٰ علیہ السلام کو حرم کی طرف آنے کی زحمت دی۔ حضرت ابو ذرؓ نے انتظار کیا ہوگا۔ لیکن جب مایوس ہو گئے تو وہیں کہیں پڑ رہے سونے کے ارادے سے لیٹے مگر نیند نہیں آتی تھی بے چین آج زیادہ تھے حتیٰ کہ جب رات بھیگ گئی اور شہر میں سناٹا ہو گیا لوگ سر پڑ رہے۔ اس وقت رحمت سماویہ جھکی اور حضرت ابو ذرؓ کے ٹوٹے ہوئے دل کو جو واقع میں نہیں ٹوٹا تھا اس نے اپنے آغوش میں اٹھا لیا۔ مسافروں کے ہنگامہ آہ و بکا بچوں کی نالہ و زاری نے جس مبتدار کو غفار کی سڑک پر پیدا کیا حضرت ابو ذرؓ کی تمام تر فاتکری یکہ کر کاروانوں سے پھیر کر خود ان کی آسائش و لذائذ ارمان اور حوصلوں کے کافور کر دینے کی متوجہ کر دیا تھا خدا جانے کتنی دراز مدت کے بعد اس کی خبر آئی تھی ہے: اس رات کے متعلق خود آپ ہی کی زبانی سننا چاہیے فرماتے ہیں۔

فبینا اهل مکة فی لیلة قمراء اضحیان اذ ضرب الله اصمختهم فما یطوف بالبیت احد منهم غیر امرأتین

(صحیح مسلم ...)

چاندنی رات خوب روشن تھی کہ ایک بار اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں کی نیندیں مسلط کر دیں اور سناٹا چھا گیا کہ بیت اللہ کے طواف کرنے والوں میں بجز دو عورتوں کے کوئی نہ تھا۔

یہ دونوں کعبے کے گرد گھوم گھوم کر اساف و نائلہ[1] سے پکار رہی تھیں خدا جانے

---

[1] اساف و نائلہ جاہلیت کے دو مشہور بت تھے۔ مشہور تھا کہ دراصل یہ دو زندہ آدمی تھے ... مرد اور عورت تھی ... [illegible]

حضرت بزرجمہر نے کہا سو بھی کہ جو راستے میں پڑے ہوئے تھے وہیں سے کوزہ
اٹھا احدھما الاخر [illegible] ایک واسطہ سے [illegible]
مقصد یہ تھا کہ اس سے ان بتوں سے کیا مطلب ہو [illegible] ہم تم بزرگوں کے
وہ خود ذات میں [illegible] سمجھتے ہیں۔ اس اگر دونوں کا بیان کرو دکی تو ممکن ہے
کہ تصادم نہیں۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ممکن ہے کہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

اس طنز آمیز آواز کو خاص طور سے سن کر عورتیں رکیں بعد ازاں چونکہ
مگر یا لات یا نائلہ کی آواز بلند ہوتی ہی رہی آخر جب طواف کرتے
کرتے حضرت ابوذر کے قریب پہنچیں آپ نے فوراً اپنی آنکھیں بند
کر لیں اور انہیں سویا ہوا دیکھ کر اور کچھ اس ڈر سے بھی کہ مبادا یہ
اگر جاگتے ہوں تو ممکن ہے کہ بری طرح غصے سے صرف گالیاں دیتیں

لو کان ھھنا من انفارنا — کاش یہاں ہمارے قبیلہ کا کوئی آدمی ہوتا

احد. — تو ان کی خبر لیتا

بڑبڑاتی ہوئی روانہ ہوگئیں دونوں آپس میں یہی ذکر کرتی ہوئیں ایک
پہاڑی پر چڑھیں اس سے اتر رہی تھیں کہ سامنے سے حضرت رسول
مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادھر
کی طرف تشریف لا رہے تھے۔ یہ عورتیں گو انہیں پہچانتی تھیں لیکن
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش اقدس تک ان کی گفتگو کے چند کلمات
اتفاقیہ پہنچ چکے تھے آپ نے بڑھ کر دریافت فرمایا

ما لکما. — تم دونوں کا کیا حال ہے کیا واقعہ ہوا

کیا کہوں صابی[1] کعبہ اور اس کے پردوں کے درمیان پڑا ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا پھر اس نے کیا کہا۔

کیا کہا زبان تک لانے کی بات ہے بس بری بات کہہ رہا تھا۔

اس گفتگو کے بعد وہ تو گھر کی طرف روانہ ہوئیں۔ آپ اور حضرت صدیق
دونوں کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

---

[1] کفار قریش مسلمانوں کو اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی کہا کرتے تھے
یعنی دین حق سے پھرا ہوا۔

حضرت ابوذرؓ کی نیند عورتوں کی اس خرافات سے اور بھی اُچٹ گئی تھی چپ چاپ ایک گوشے میں منتظر تھے کہ دیکھیں یہ عورتیں کیا گل کھلاتی ہیں کہ یکایک سامنے سے دو جسم متحرک نظر آئے۔

حضرت ابوذرؓ کی نگاہ جم گئی پھر مجھے معلوم نہیں کہ کب تک بیٹھے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف بھی کیا۔ حجر اسود کو بوسے بھی دئے۔ نمازیں بھی پڑھیں۔ لیکن کچھ خبر نہیں کہ اس وقت ابوذرؓ کی تشنہ و حیران آنکھوں نے کیا دیکھا، دماغ نے کیا سمجھا البتہ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا۔ عقیدت کا ایک پیکر مجسم سامنے کھڑا ہوا لرز رہا تھا۔

السلام علیکم یا رسول اللہ۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ فرما کر پوچھا۔

ممن انت | کس قبیلے سے آئے ہو

حضرت ابوذر

من غفار | یعنی قبیلہ غفار سے ہوں

یہ سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر پکڑ لیا۔

راوی مختلف ہیں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس انتساب کو ناپسند فرمایا۔ جیسا کہ خود حضرت ابوذرؓ سے اس کی شرح میں مروی ہے۔

قلت فی نفسی کرہ انی | میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید غفار
انتسبت الی غفار رضی | کی طرف میرے انتساب کو آپ نے ناپسند فرمایا۔

ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ سن کر متعجب ہوئے کہ

یہ محض اظہار تعجب کے لئے تھا۔ طبقات کی ایک دوسری روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

عجب النبی صلی اللہ علیہ وسلم انھم یقطعون الطریق فجعل النبی صلعم یرفع بصرہ فیہ و یصوبہ تعجبا من ذالک لما کان یعلم منھم۔ ص ۱۶۴ ج ۴

آپ کو تعجب ہوا کہ غفار تو رہزنی کرتے ہیں، اس کے بعد آپ نے بہ تعجب ہو کر اپنی نگاہ ان پر ڈالی اور کسی قدر نیچے کر لی کیونکہ غفاریوں کے حالات سے واقف تھے

اس صورت میں جملہ

فوضع یدہ علی جبھتہ

دست مبارک اپنی پیشانی پر رکھ کر

سے مقصود یہ ہوگا کہ آپ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کے بغور ان کو دیکھنے لگے واللہ اعلم۔ ایک صاحب دل کا خیال ہے کہ حضور نے نظر اول ہی میں آپ کو پہچان لیا تھا لیکن حسرت کی نگاہ سے دیکھا کہ ابھی مراحل سلوک میں اس غفاری قزاق کو شب ہجر کا ایک بے ستون کاٹنا اور بھی باقی ہے۔ واللہ اعلم اور پھر یہی ہوا بھی کہ اس رات میں "اسلام" و "ایمان" کا کوئی ذکر نہیں آیا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قصداً یہ معاملہ ٹال دیا گیا۔ طبقات میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے کہ دست مبارک پکڑ لیں لیکن حضرت صدیقؓ نے ان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا خود ان کا بیان ہے۔

۱؎ طبقات میں ہے کہ اس کے بعد آپ نے فرمایا ان اللہ یھدی من یشاء خدا جس کو چاہے ہدایت کرے۔

من صحب اخلد بیانہ فعلہ عن صاحبہ وکان علم بہ منو [illegible]

جس سے پتہ چلتا ہے کہ دست مبارک پکڑ لیا لیکن ساتھی سے بچے ہوئے یا ہم پیچھے [illegible] کی محبت سے [illegible] تھے۔

بادی النظر میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ ابھی تک ان سے مطمئن نہ تھے اس لئے ایسا کیا۔ لیکن کئی اور پہلو کو پیش نظر رکھ کر اگر یہ سمجھا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے ایسا کیا گیا کہ منازل کی ایک یہ بھی تھی تو کیا مضائقہ ہے

حضرت ابوبکرؓ کی ضیافت

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف سے توجہ کرتے ہوئے ان سے پوچھا تم یہاں کب سے ہو آپ نے فرمایا تقریباً تیس راتیں یہاں گزر گئیں حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ تمہیں کھانا کون دیتا تھا۔

چونکہ حضرت نبی کریم اللہ علیہ کے یہاں صرف سونے کے لئے جو رات گزرتے ہوئے دو دن سے بایا کرتے تھے اور آپس میں کسی قسم کی گفتگو بھی نہیں ہوتی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم اللہ علیہ کے یہاں کھانے کی مہمان داری نہیں ہوتی تھی بہرکیف حضرت ابوذر نے جواب میں فرمایا کہ ایک زمانے سے میری گزر صرف زمزم کے پانی پر ہے اور اس پانی کی ایک عجیب خاصیت بیان کی فرماتے ہیں۔

لہ صاحب ان کا خیال ہے کہ یہ کچھ نہیں وجہ آگر بیان کی گئی ہے ۔ یہ کہا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کو اس وقت [illegible] نہیں تھا ورنہ وہ [illegible] ضرور نسبت کرتے

فسمنت حتی تکسرت عکن	میں موٹا ہو گیا حتیٰ کہ پیٹ کی شکن ٹوٹ گئی
بطنی فما وجدت علی کبدی	اور بھوک میں ایسا ہو جاتا ہے جو کچھ
سخفة جوع (مسلم)	پیٹ اور جگر پر بھوک کا ضعف کبھی محسوس نہیں ہوا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا۔

انها مبارکة انها طعام طعم | یہ بابرکت دی گئی ہے اور سیر کرنے والی غذا ہے

حضرت صدیقؓ نے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ”مجھے اجازت دیجئے کہ میں آج کی رات انہیں اپنا مہمان بناؤں“ آپ نے اجازت دے دی۔ حضرت صدیقؓ ان کو ساتھ لئے ہوئے گھر گئے دروازہ کھولا۔ اور طائف کی کچھ کشمشیں ان کے حوالے کیں حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا کھانا تھا جو حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں مجھے نصیب ہوا۔

اسلام لانا | ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صبح ہوتے ہی پھر حرم میں آ گئے جب رات ہوئی تو آج حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور اپنے ساتھ لے کر گھر پہنچے مگر یہ اسی طرح ساکت وساکت رہے آخر حضرت علیؓ سے نہ رہا گیا اور فرمایا۔

ما الذی اقدمک | آخر تم کو کیا چیز یہاں لائی ہے

گزشتہ رات باوجود اور سب کچھ ہو جانے کے چونکہ ان کے لئے کچھ نہ کہا تھا اس لئے دل بھرا ہوا تھا۔ پیمانہ صبر چھلک پڑا۔ بولے ”کہ اگر عہد کرتے ہو تو میں بتاؤں“ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عہد کیا آپ نے کہا ”اگر تم میری رہنمائی کر سکو[2] تب کہوں گا“ حضرت نے حامی اور ساتھ اس کا بھی وعدہ کیا

[1] صحیح مسلم ۔۔ [2] صحیح بخاری ۔۔

آپ نے فرمایا، کہ میں نے سنا تھا کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو کہتا ہے کہ میں نبی ہوں۔ یہ سن کر میں نے اپنے بھائی کو دریافت حال کے لیے بھیجا، لیکن اس نے کچھ تشفی بخش خبر مجھے نہیں سنائی۔ آخر میں خود اس شخص سے ملنے کے لیے آیا ہوں[1]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی باچھیں کھل گئیں۔ خدا جانے کیا[2] کیا کہا۔ تاہم بخاری میں اس قدر موجود ہے

قال فانه حق وهو رسول الله فاذا اصبحت فاتبعني فاني ان رايت شيئا اخاف عليك قمت كاني اريق الماء فان مضيت فاتبعني حتى تدخل مدخلي۔ (بخاری)	یہ (علی) کہتا ہے کہ وہ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ صبح ہو تو تم میرے ساتھ چلو۔ راستے میں اگر ایسی چیز نظر آئے جس سے ڈر ہو تو میں کنارے ٹھہر جاؤں گا گویا پیشاب کر رہا ہوں اور تم چلتے رہنا، پھر جب میں چلنے لگوں تو میرے پیچھے چلنا حتیٰ کہ جہاں میں داخل ہوں تم بھی وہاں آ جانا۔

صبح ہوئی دونوں ساتھ چلے، آگے آگے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پیچھے پیچھے ان کے حضرت ابوذرؓ اس آستانے کی طرف جا رہے تھے جس کی غلامی کاتب ازل نے ان کی پیشانی میں لکھ دی تھی۔ راستہ میں کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ حتیٰ کہ وہ دروازہ سامنے آگیا۔ حضرت علیؓ اور ان کے ساتھ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں داخل ہو گئے۔[3] ایک پیر ترسے پیمبر[4]

---

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۲۲۵

[2] طبقات کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے رشتہ عقیدت کو ظاہر کیا ۱۲

[3] بخاری ۱۲ [4] طبقات ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خلوت قدسی پر ایک چادر ڈالے ہوئے آرام
فرما رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے اشارہ کیا آپ بیتابانہ دوڑ پڑے اور سلام
عرض کیا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی فرمایا وعلیکم
السلام حضرت ابوذرؓ اشارات کے واقعہ سے متاثر ہو چکے تھے۔ جانتے تھے
کہ کہیں معاملہ پھر نہ ٹل جائے قبل اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
اور کچھ فرمائیں آپ نے فرمایا "کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ مجھے سنائیے آپ نے
فرمایا میں نہیں کہتا: خدا فرماتا ہے حضرت ابوذرؓ نے فرمایا تو وہی سنائے

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی ایک سورۃ (نام کا
علم نہ ہو سکی) تلاوت فرمائی۔ ادھر سورۃ ختم ہوئی اور ادھر حضرت
ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله

کے ساتھ ایک چیخ ماری اور جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ نہ دلیل تھی اور نہ حجت
صرف حضرت ابوذرؓ کی فطرۃ سینہ میں ایک قندیل تھی جس کے اندر ایک
سادی روغن بھرا ہوا تھا۔ قریب تھا کہ بھبک اٹھے آخر بھڑکا کر پھر
کبھی نہ بجھا۔ اور اس طرح مسلمانوں کے اندر جن کی تعداد کرہ زمین پر کل چار
تھی ایک کا اور اضافہ ہو گیا۔

تھوڑی دیر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے
سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے اسلام کی خوشخبری دی۔ حضرت
ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو غور کیا تو پہچان کر فرمایا۔

الیس ضیفی بالامس | کیا یہ وہ شخص نہیں ہے جو کل میرے مہمان تھے

---

۱۵ بشارت ۱۶ ۔ ۱۷ بشارت ۱۷

اور چلنے کو فرمایا

انطلق معی ۔ ا ب ۔ ا نمشی

ایک زمانہ گزر چکا تھا کہ حضرت ابو ذرؓ نے اپنا گھر چھوڑا تھا کپڑے بالکل میلے ہوگئے تھے۔ اس وقت حضرت صدیقؓ نے دو کپڑے رنگین خوبصورت نکال کر دئے۔ آپ نے غسل کیا کپڑے بدلے اور جب تک کہ مکہ میں آپ کا قیام رہا حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر مقیم رہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں قیام کا زمانہ

آثار و روایات میں اس کی تصریح تو نہیں ملی کہ آپ کب تک حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت خانہ پر مقیم رہے۔ لیکن قرائن اور بعض روایتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً اس عرصہ میں مکہ والوں سے آپ کی ملاقات ہو چکی تھی۔ لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ قبیلہ غفار کے کوئی نامور آدمی ہیں مثلاً ایک واقعہ بھی ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حالانکہ اس زمانہ میں مشرف با سلام نہ تھے) آپ کو جانتے تھے کفار کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا۔

الستم تعلمون انہ من غفار	کیا تم نہیں جانتے ہو کہ وہ قبیلہ غفار کا آدمی
طریق تجارکم الی الشام	ہے جو تمہارے شام کے تاجروں کا راستہ ہے

بہرکیف اگر تمام قریش سے آپ کی شناسائی نہیں ہوئی تھی تو خاندان عبد المطلب میں لوگ آپ کو ضرور جاننے لگے تھے۔ آپ کے زیادہ شہرت کی وجہ میرے نزدیک دراصل وہ واقعہ ہے جس کے راوی صرف محمد بن سعد صاحب طبقات ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کے مشہور ہونے کا علم حضرت عباسؓ کو بھی

اسی کے بعد ہوا ہو۔ وہ راوی ہیں کہ جن ایام میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مہمان تھے اسی زمانہ میں آپ سیر کرتے ہوئے حرم میں آئے دیکھا کہ پھر ایک عورت طواف کر رہی ہے اور گھوم گھوم کر نہایت فصاحت و بلاغت و عاجزی و خاکساری کے ساتھ دعائیں کر رہی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دعا ابھی تک مبہم تھی۔ اس کا پتہ نہیں ملتا تھا کہ کس کو مخاطب کرکے مانگ رہی ہے مگر چونکہ بیت اللہ تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھا ہوگا کہ خدا کو پکار رہی ہے اور اس پر خوش ہوئے ہوں گے لیکن جب ختم کر چکی تو اس کے بعد پھر کہا۔

یا اساف یا نائلہ ۔ اے اساف اے نائلہ

چیخنے لگی۔ آپ سنتے ہی جھنجلا اٹھے اور بے ساختہ آپ کی زبان سے وہی

انکحی احدھما صاحبہ ۔ ایک کا دوسرے سے نکاح کر دے۔

نکل پڑا۔ چونکہ ان کا وقت تھا۔ عورت بلا خوف و خطر شور مچاتی ہوئی آپ کے ساتھ لپٹ پڑی اور چلانا شروع کیا۔

انت صابی ۔ تو صابی ہے

ادھر قریش کی ایک جماعت وہیں موجود تھی انت صابی کی آواز سنتے ہی حسب عادت دوڑ پڑے اور جس طرح پہلے مارا تھا مارنا شروع کیا۔ اتفاق سے بنی بکر کے قبیلہ میں اس کی خبر پہنچی کہ قریش ایک بیکس مسافر کو بری طرح مار رہے ہیں۔ چونکہ ان دونوں قبیلوں میں ایک زمانے سے رقیبانہ تعلق تھا فوراً کچھ جوان آئے حرم پہنچے اور نہایت حقارت کے ساتھ قریش کو ڈانٹا کہ واہ! تمہارے قبیلے میں جو "صابی" ہیں ان کو

نہیں مارتے ایک بیچارہ مسافر آگیا بس سارا نزلہ اسی کی طرف رجوع ہو گیا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا یہ کہتے ہوئے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی پناہ میں لے لیا اور ان ظالموں سے نجات دلائی۔ آپ اسی صورت و حالت کے ساتھ دربار نبوی صلی اللہ علی صاحبہا میں حاضر ہوئے اور فرمایا۔

یا رسول اللہ اما قریش
فلا ادعھم حتی اثار منھم
ضربونی۔

یا رسول اللہ قریش سے جب تک
بدلہ نہیں لوں گا نہیں چھوڑ سکتا
انہوں نے مجھے مارا ہے۔

اسلام کی دعوت پر سرفرازی

کہ مکہ میں اس وقت مسلمانوں کی کل تعداد پانچ تھی جن میں پانچویں حضرت ابوذر تھے۔ ایسے ضعف کے وقت میں آپ کی بہادرانہ شجاعت مردانہ ہمت کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے اسی وقت خیال گزرا کہ جس "تبلیغ" کا ارادہ کیا گیا ہے اس کا وقت آپہنچا ہے اسی کے بعد سب سے پہلے اسلام میں جس عمامہ پر اس جلیل عہدہ کا طرہ نصب کیا گیا وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر بندھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔

انی وجھت الی ارض ذات
نخل ولا احسبھا الا یثرب
فھل انت مبلغ عنی قومک
عسی اللہ ان ینفعھم بک

میں کھجوروں والی زمین کی طرف متوجہ کیا
گیا ہوں اور میں اسے مدینہ کے علاوہ کسی
شہر کو خیال نہیں کرتا کیا تم پیغام کو ہمارے
نہیں پہنچا سکتے ممکن ہے خدا تم سے نفع پہنچائے

و یا جرك فیهم۔ | اور تمہیں اجر دے

جس تنتانے پر اتنی تگ و دو کے بعد پہنچے تھے اضافہ کرسکتے ہو کر اس کی دوری ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا ہو سکتی تھی لیکن کیا کرتے جب کہ

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست   کفر است درین مذہب خود بینی و خود رائی

آخر یہی ہوا کہ آپ دعوت و تبلیغ کے لئے آمادہ ہو گئے لیکن پھر بھی دبی ہوئی زبان سے فرمایا۔

انی منصرف الی اهلی ناظر | اچھا میں اپنے گھر جاتا ہوں مگر انتظار کروں گا
متی یومر بالقتال فالحق بك | کہ کب حکم دیا جاتا ہے پھر آپ سے آ ملوں گا

مقصود یہ تھا کہ فراق کی گھڑیوں کو کسی خاص زمانہ تک محدود کر دیا جائے کم از کم اسی امید پر جیوں گا اس کے بعد یکایک آپ کو خیال گزرا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کی ایذاؤں کو دیکھ کر میرے لئے یہ حکم تو صادر نہیں فرمایا کہ اس ترکیب سے میں مکہ معظمہ کو چھوڑ دوں گا۔ منشا اس خیال کے آتے ہی تجاہل عارفانہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

فانی اری قومك علیك | اور آپ کی قوم چونکہ متفق ہو کر آپ کے
جمیعا۔ | مخالف ہے اس لئے بھی میرا جانا مناسب ہے

اور واقعہ بھی یہی تھا کہ جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے روانہ کرنے سے تبلیغ و ارشاد کا کام لینا منظور تھا ساتھ ہی یہ بھی مدنظر تھا کہ ابوذرؓ ایک سخت آدمی ہیں خواہ مخواہ اسی طرح دشمنان اسلام کے ہاتھ ان کو تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ جس کی چند تجربے مکہ میں ہو چکے اس سوال کو سن کر ارشاد فرمایا۔

اصبت | [illegible] پہنچ گئے ہو

یہ سنتے ہی حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت پھڑک اٹھی غیرت کا خون
پیشانی پر جوش مارنے لگا۔ کفار قریش پر آگ ہو گئے۔ جوش و خروش میں
اس وقت آپ کے یہ الفاظ تھے

لا ارجع حتی اصرخ بالاسلام | میں نہیں جاؤں گا جب تک اسلام
فی المسجد۔ | کے ساتھ مسجد حرام میں چلا کر نہ پکاروں۔

حتیٰ کہ غصہ میں آ کر قسم کھا بیٹھے بخاری کا جملہ ہے۔

والذی نفسی بیدہ لا | قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان
صرخن بھا بین ظہرانیہم | ہے کہ ان لوگوں کے درمیان جا کر چلاؤں گا

یہ کہتے ہوئے سیدھے مسجد حرام میں داخل ہوئے قریش والے بیٹھے ہوئے تھے ٹھیک
ان کے درمیان گھس کر نہایت اونچی آواز میں

اشھد ان لا الہ الا اللہ | میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی
واشھد ان محمد رسول اللہ | اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد پیغمبر ہیں۔

کا نعرہ بلند کیا۔ قریش میں اس کے سننے کی کب تاب تھی مبہوت مبہوت بیٹھے
ہوئے ان پر جھک پڑے اور بے تحاشا مارنا شروع کیا۔ مگر ان کی زبان پر
یہ شور شہادت جاری تھا۔ لات، گھونسے، ڈھیلے، لکڑیاں پڑ رہی تھیں
لیکن کوئی پرواہ نہیں کہ یہاں صرف دکھانا ہی تھا کہ قریشیوں کے ان زنانہ
حرکات سے ابو ذر کا دل کبھی نہیں کانپ سکتا ہر ضرب کی زبان حال سے
آواز آ رہی تھی۔

کن با تیرے کہ دارم دل و جانے دگر

خدا جانے اس مار پیٹ کا سلسلہ کب تک جاری رہا مگر حسن اتفاق سے

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادھر گزر ہوا آپ نے قریش کو مخاطب کرکے فرمایا۔

"ارے کیا کرتے ہو؟ انھیں پہچانتے ہو، یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے جدھر سے تمہارے شامی تاجروں کا راستہ ہے" چونکہ حضرت عباس رضی قبیلہ کے معتمد لوگوں میں سے تھے، کہ وہ ہی آپ کا خیال کرتے تھے لوگوں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی خوش تھے کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے شک کا جواب میں نے مٹا دیا ہے، مگر پھر بھی دل کو تسلی نہیں ہوتی تھی بخاری میں ہے کہ دوسرے دن اسی طرح پھر حرم پہنچے اور کلمہ شہادت کو آواز بلند پڑھنا شروع کیا۔ قریش اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے خیال سے باز آئے تھے آج پھر وہی معاملہ دیکھ کر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کیا۔ حضرت عباس رضی کو خدشہ لگا ہوا تھا آئے تو کل ہی کا واقعہ پیش نظر تھا پھر آپ نے لوگوں کو سمجھایا۔ فرمایا کہ

"کیا تمہارا ارادہ ہے کہ قریش کے قافلے لوٹنے جاہیں" آخر کیا کرنے ہو؟

بدستور سابق آپ کو دیکھ کر غفار رک گئے ہر کیف جب حضرت ابوذر رضی اچھی طرح علی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن اقدس پر ثابت کروا کہ ابوذر رضی اس لئے نہیں جاتا کہ وہ مکہ والوں کے مظالم سے ڈر گیا ہے بلکہ صرف اس لئے اس آستانے کو چھوڑتا ہے جس کا چھوڑنا اسے کسی طرح منظور نہیں کہ حضور کے ارشاد کی تعمیل اور خدا کے دین کی اشاعت و نشر کے اہم فریضہ کی انجام دہی اس کا مطمح نظر ہے۔

اس کے بعد آپ مکہ معظمہ سے بصد حسرت واپس رخصت ہوئے۔

مکہ معظمہ سے روانگی اور دعوت کی ابتدا

میں نے بہت تلاش کیا کہ دیار یار سے الگ ہونے والے مسافر کا حال اس وقت کیا تھا لیکن آثار و کتب سے ایسا جواب ملا۔ بچھڑنے والے اپنے دل پر ہاتھ رکھیں اور جو کچھ آج سے تیرہ سو برس پیشتر مکہ کے کسی راہی میں ایک گمنام دل پر گزر رہا تھا اس کا اندازہ کریں چلے جاتے تھے اور تبلیغ کا خیال ساتھ تھا۔ جس مقام میں آپ کے بھائی اور والدہ فروکش تھیں پہنچے حضرت انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ منتظر تھے نہایت گرم جوشی سے ملے اور پوچھا کہ آپ نے کیا کیا؟

بولے اور کیا اسلمت وصدقت مسلمان ہو گیا اور (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق کی۔ حضرت انیس رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی وہ نور کہ ہی میں جگہ پا چکا تھا وہ بیٹھے تھے یہ سنتے ہی فرمایا

مالی رغبة عن دینك فانی — مجھے آپ کے دین سے انکار نہیں اور میں بھی

قد اسلمت وصدقت — مسلمان ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی

حضرت ابوذر کے تبلیغی مہم کی یہ پہلی کامیابی تھی۔ جو کچھ مسرت ہوئی ہوگی وہ ان کا دل جانتا تھا یا وہ جان سکتے ہیں جنہوں نے کبھی کسی بھٹکے ہوئے گمراہ انسان کو صراط مستقیم کی ہدایت کی ہو اور کامیاب ہوئے ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے حضرت انیس کے سامنے اس عطیہ کا بھی ذکر کیا جو آپ کو دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا کیا گیا تھا اور ان کو بھی اس میں شریک کیا فرماتے ہیں کہ اس کے بعد۔

فاتینا امنا — ہم دونوں بھائی لوٹ کر والدہ کے پاس آئے۔

اور اسلام پیش کیا۔ آپ کی والدہ نے سعادت مند بیٹوں کو مسلمان دیکھ کر فرمایا مجھے بھی اس دین سے کوئی نفرت نہیں، دیکھو، میں مسلمان ہوتی اور جن چیزوں کی تم دونوں نے تصدیق کی میں بھی اس کی تصدیق کرتی ہوں۔

وانذر عشیرتک الاقربین | اپنے قبیلے کے قریب لوگوں کو خدا سے ڈراؤ۔ کا پہلا فرض گویا پورا ہوگیا۔ دونوں بھائیوں نے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ذرؓ نے فرمایا کہ قریش مجھ پر بہت ظلم کرچکے ہیں، اس عرصہ میں انہوں نے مجھے بہت ستایا ہے مجھے اللہ کا حق پہنچتا ہے کہ ان سے انتقام لوں اور ان شاء اللہ اسی انتقام کے ذریعے سے مقصد میں بھی کامیابی ہوگی۔

عسفان کی گھاٹیوں میں جا کر چھپنا

رائے اس پر مستقر ہوگئی۔ والدہ اور بھائی کے ساتھ آپ عسفان کی ایک گھاٹی (جو تجار قریش کے راستے میں واقع تھی) میں جا کر ٹھہر گئے اور معمول کر لیا کہ اس راہ سے جو قافلہ کفار قریش کا گزرے گا اُسے لوٹ لیتے۔ جب ان پر قبضہ ہو جاتا تو اس کے بعد فرماتے اگر تم خدا کی یکتائی کی گواہی دیتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرتے ہو تو سارا مال ابھی واپس کر دیا جائے گا اور اگر انکار کرو گے تو یاد رکھو ایک حبہ کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

قریش آپس میں مشورہ کرتے کہ وہی ابو ذرؓ (یعنی جو مکہ میں عام طور سے مشہور ہے اور اس پر وہاں بہت ظلم ہوئے ہیں) ایسا کرتا ہے کیا کرنا چاہیے۔

؎ طبقات میں ہے، اس گھاٹی کا نام غیقہ فزال بتایا گیا ہے۔

بعض ایمان لے آتے تھے اور بعض کفر ہی پر قائم رہتے۔ جو مسلمان ہو جاتا تھا آپ اس کا سارا مال دانہ دانہ رتی رتی کر کے واپس فرما دیتے جو انکار کرتا تھا اسے بھی ایک بینی و دو گوش روانہ کر دیتے۔ جو لوگ یہاں مسلمان ہوتے تھے وہ مکہ معظمہ میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے اور اس طرح روز بروز اسلام کی تعداد میں ایک اور اضافہ کی صورت نکل آتی۔ حضرت ابوذرؓ جس کام پر مامور کئے گئے تھے خدا کے فضل سے اس میں غیر متوقع کامیابی ہو رہی تھی۔ اس واقعہ میں سب سے زیادہ غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ اگر حضرت ابوذرؓ کے ہاتھ پر ایمان لانے والے محض مال کی طمع سے مسلمان ہوتے تھے تو ان کے لئے بالکل ممکن تھا کہ مکہ میں جا کر پھر جاتے۔ لیکن تاریخ اس کی ایک نظیر بھی پیش نہیں کرتی۔ جو مسلمان ہوتا تھا بس ہمیشہ کے لئے ہوتا تھا کہ حق و صداقت کی روشنی دلوں میں خواہ کسی وسیلے سے بھی ہو جب صحیح طور پر اتر جاتی ہے تو دیکھا گیا ہے کہ پھر وہ بہت مشکل سے بجھتی ہے۔

الغرض عسفان کی گھاٹیوں میں آپ ایک زمانہ تک نہایت دلیری کے ساتھ اسلام کی اس اہم خدمت کو انجام دیتے رہے باوجودیکہ یہ کل تین آدمی تھے اور ان میں بھی تیسری آپ کی والدہ ایک بوڑھی عورت تھیں۔ لیکن منقول نہیں کہ آپ کو کبھی کفار مکہ سے عسفان میں کوئی گزند پہنچا۔ کہ منصب تبلیغ پر پہنچنے والوں کے لئے۔

واللہ یعصمک من الناس

۱ نسائی، بیہقی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ والدہ بزرگوار بھی موجود ہے۔

وطن کی طرف مراجعت۔ ٹھیک پتہ نہیں چل سکتا کہ حضرت ابوذرؓ

عسفان میں کب تک رہے لیکن مسند احمد حنبل کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہجرت سے پہلے غفار میں پہنچ چکے تھے۔ عجیب بات ہے کہ بنی غفاریوں نے آپ کو محض نام توحید کی بنا پر اس درجہ پہنچایا تھا کہ آپ ترک وطن پر مجبور ہوئے تھے آہ حق و صداقت کی کشش و جذب دیکھیے کہ بغیر کسی مادی کدوکاوش کے بعض تو پہلی ہی تبلیغ میں ایمان لے آئے اور بعضوں نے کہا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئیں گے تو ہم لوگ اس وقت پورے مسلمان ہو جائیں گے[1]

قریب ہی آپ کے حلیف اسلم کا قبیلہ آباد تھا وہاں بھی آپ پہنچے اور جو کچھ اپنے وطن میں کیا کرتے تھے دوسروں میں بھی اسی کو کرنا شروع کر دیا چونکہ روز بروز کامیابی ہو رہی تھی اس لئے آپ کو اس سے از حد دلچسپی ہو گئی۔ اخیر میں ان کا شغف اس درجہ ترقی کر گیا ہوا کہ آپ اس وعدہ کو بھی پورا نہ کر سکے جسے چلتے وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا یعنی میں دیکھتا رہوں گا کہ آپ کو جنگ کی اجازت کب ملتی ہے۔ جب مل جائے گی فوراً حضور سے آملوں گا۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کا حکم بھی ہوا۔ بدر و احد جیسی مشہور لڑائیاں بھی ہو گئیں لیکن حضرت ابوذر کو اپنے کام سے فرصت نہ مل سکی۔ خیر یہ جب کفار عرب دس ہزار جرار لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے اور خندق کی وجہ سے ایک مہینہ کا محاصرہ ڈال کر مدینہ کے سامنے پھیل گئے یہاں تک کہ آسمانی قوت نے ہوا میں جنبش پیدا کی جس نے خیمے اکھاڑ دیئے ہانڈیاں دیگیں الٹ دیں

---

[1] مسند امام احمد صفحہ [illegible] ج ۵ [2] صفحہ [illegible] ج ۴ — ۱۲

فرشتوں نے کانوں کے دل سل ڈالے۔ دشمنوں میں لا وصبہ سنجیدگی پیدا ہوئی، قریش بغیر لڑے بھڑے، گھروں میں آکر چھپ گئے۔ تو اس واقعہ نے تمام عرب میں زلزلہ ڈال دیا۔ یقین و ایمان کی ایک لہر تھی جو تمام عرب میں دوڑ گئی۔ غفاری دولا بھی منتظر بیٹھے تھے۔ اس واقعہ نے ان کے شوق و اضطراب کو اور بھڑکا دیا۔

مدینہ منورہ کا سفر

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قبیلہ غفار نے درخواست کی کہ ہم لوگ مدینہ کا ایمان لانا چاہتے ہیں۔ اسلم والوں نے بھی ساتھ دیا۔

ششتہ کے ابتدائی حصے تھے کہ غفار اور اسلم کی صحبت میں اسلام کا کامیاب مبلغ پھر انہیں قدموں کے نیچے آ کر بیٹھ گیا جس کی یاد نے اس طویل عرصہ میں کبھی چین سے نہیں رکھا تھا کیا کیا واقعات گزرے ہجر و فراق کی داستانوں میں کیا گفت و شنید ہوئی۔ زمانہ اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔ ہمیں تو صرف اس قدر معلوم ہے کہ دونوں قبیلے آپ کے روبرو پیش ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دیدار اقدس سے ان کی آنکھوں بلکہ جانوں کو نوازتے ہوئے فرمایا۔

غفار غفر اللہ لہا اسلم سالمہا اللہ (صحاح ستہ) | غفار خدا تعالیٰ اُن کی مغفرت کرے اور اسلم کو خدا سلامت رکھے۔

یہ ایک خاص خصوصیت تھی جو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے علاوہ آپ نے کسی قبیلے کے لئے ایسے الفاظ استعمال نہیں کئے قبیلہ اسلم پر بھی یہ رحمت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت پھیل گئی

قبائل غفار و اسلم تو اپنے خیمہ گاہوں کی طرف واپس ہوئے اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کا دامن تھام لیا۔ اور اس مضبوطی سے تھاما کہ پھر کبھی الگ نہیں ہوئے۔

امارت مدینہ

روز بروز آپ کا اقتدار و اعزاز دربار نبوی میں بڑھ رہا تھا حتی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ ذات الرقاع عہ میں تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ کا امام آپ ہی کو بنایا۔ اور نہ صرف آپ ہی امیر ہوئے بلکہ آپ کے صدقہ میں غفاریوں کو بھی کبھی کبھی یہ عہدہ ملا مثلاً غزوہ دومۃ الجندل کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سباع بن عرفطہ الغفاری کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا تھا عہ

ردافت کی عزت

عرب میں عام طور سے دستور تھا کہ جب اونٹ پر سوار ہوتے تو اپنے کسی خاص آدمی کو اپنا ردیف بنا لیتے تھے جو سواری کو تھام کر پیچھے بیٹھتا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی کسی کو اپنا ردیف بناتے تھے۔ حجۃ الوداع میں آپ کے ردیف آپ کے چچازاد بھائی فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ردافت ایک بڑا عہدہ جلیل تھا۔ جس شخص کو آپ یہ عزت دیتے

عہ اس جنگ کو ذات الرقاع اس لئے کہتے ہیں کہ ... اس لڑائی میں ... پتھروں پر چلنے سے ... پاؤں پھٹ گئے تھے اور لوگوں نے ان پر چیتھڑے باندھ لئے تھے ... ذات الرقاع ... روایت ... حضرت ابوذر کا امیر مدینہ ہونا ... تفصیل زاد المعاد

عہ زاد المعاد ج ۱-۱۲

لہٰذا وہ ردیف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا۔

ہمارے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس عزت سے سرفراز کئے جاتے تھے۔ نہ صرف اونٹوں پر بلکہ حضور چھوٹی چھوٹی سواریوں میں بھی مثلاً گدھے وغیرہ پر بھی حضرت ابو ذر کو اپنے پیچھے بٹھا لیا کرتے اور آپ سے باتیں کرتے ہوئے راستہ طے فرماتے تھے

خادم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

آپ نہ صرف ردیف ہی نہیں بلکہ زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم بھی رہے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی خدمت سے بہت زیادہ خوش تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی خدمت سے فارغ ہو کر حسب عادت مسجد نبوی میں سونے کے لئے چلے گئے کہ اس دن زیادہ کام کیا تھا تھک گئے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دلجوئی کے لئے تھوڑی دیر کے بعد مسجد تشریف لائے۔

حضرت ابو ذر سو چکے تھے آپ نے ٹھوکر کے اشارے سے جگایا۔ گھبرا کر اٹھ بیٹھے آپ نے پوچھا ابو ذر کیا بات اس دن کیا کرو گے جب اس مسجد نبوی سے تم نکالے جاؤ گے۔ حضرت ابو ذر فی الفور دربار نبوت میں بہت زیادہ شرمندہ ہوئے۔

"اپنی تلوار سونت لوں گا اور جو مجھے یہاں سے نکالے گا اس کی گردن اڑا دوں گا!"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھایا اور دعا کرنے لگے۔

طبقات ابن سعد

[illegible] سے خدا ابوذر کی مغفرت فرمائے [illegible]

ابوذر! نہیں ایسا نہ کرنا۔ جو بھی تجھ پر حاکم ہو۔ اگرچہ غلام حبشی کیوں نہ ہو جس کی ناک کان کٹے کیوں نہ ہوں اس کی اطاعت کرنی چاہئے وہ جدھر کھینچے کھنچ جاؤ۔ جدھر ہانکے چلا جائے۔

اور ایسا ہی ربذہ میں ہوا جس کی تفصیل آتی ہے

صاحب سر النبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص خصوصیت یہ بھی تھی حضور نے بہت سے اسرار آپ کو بتائے تھے لوگ جب آپ سے کوئی حدیث پوچھتے تو فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسرار بتائے ہیں وہ اگر پوچھتے ہو تو نہیں بتاؤں گا اس کے علاوہ جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو۔[1]

درد محبت اگرچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر حالات میں تند بگولوں کی [illegible] کے سلسلے نشانات ملتے ہیں جن کے بغیر مومن مومن نہیں ہوتا۔ لیکن بعض واقعات خاص طور پر حیرت انگیز ہیں جن سے محب و محبوب کی باہمی نگاہوں کا ایک عجیب مرقع سامنے کھنچ جاتا ہے۔

حضرت ابوذر کا یہ حال تھا کہ اکثر جب [illegible] کا ذکر فرماتے تو کہتے

اوصانی حبیبی بثلاث۔ بصوم [illegible] والوتر قبل النوم والصلاة	میرے حبیب نے مجھے [illegible] ہر مہینہ [illegible]

[1] مسند احمد بن حنبل [illegible]

[2] مسند احمد بن حنبل [illegible]

ثلثہ ایام میں کل شہرت ... مجھے ... میں ... دیا کروں

اور خیر میں فرماتے کہ میں ... کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی طرح ایک دوسری وصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اوصانی حبی بحب ارحم
المساکین واجالسہم وانظر
الی ماهو تحتی ولا انظر الی
ماهو فوقی وان اصل الرحم
وان اقول الحق ولو
کان مرا وان اقول
لاحول ولاقوۃ الا باللہ

میرے محبوب نے ... مجھ کو وصیت کی
کہ مسکینوں پر ... رحم ... کروں
... ان کے پاس بیٹھوں اپنے سے کمتر
کو دیکھوں ... اپنے سے بلند
کو ... دیکھوں رشتہ داروں کے ساتھ
سلوک کروں سچ بات کہوں اگرچہ تلخ کیوں نہ
ہو ... لاحول ... پڑھتا رہوں

... دل ... ہے۔

الغرض یہ خاص آپ کا طرز تھا کہ ان کا دامن کی زندگی کا تمام سرمایہ پر مبنی ... تھا جس کو محبوب اور خلیل کے لفظ سے تعبیر کیا کرتے کبھی کبھی حالت بہت غیر ہو جاتی تھی حدیث بیان نہیں کرسکتے تھے گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ احنف بن قیس راوی ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیت المقدس کی مسجد میں ایک حدیث بیان کرتے ہوئے دیکھا صرف اتنے الفاظ کہہ کر کہ میرے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ چیخ مارتے تھے پھر کہنے لگے کہ میرے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور چیخ مارتے تھے پھر کچھ کہہ کر کہ میرے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور چیخ مارتے بیہوش ہوکر گر گئے۔

مسند احمد

حدیث بیان کی۔

ایک دن حضرت ابوذر کو خیال گزرا کہ آج تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر لیتے ہیں لیکن جنت میں کیا ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بہشت میں ہونگے اور میرا وہاں جانا۔ بالفرض جبکہ جنت کا استحقاق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کامل سے ہوتا ہے اور ہم تہی کسب ہیں۔

الغرض اس کا ہیجان اس قدر بڑھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور پوچھا کہ یا رسول ایک آدمی ہے جو کسی کو پیار کرتا ہے اس سے اسے محبت ہے لیکن اس میں استطاعت نہیں کہ اپنے محبوب کے مانند تمام اعمال و افعال کو بجا لائے پھر اس کا قیامت میں کیا حال ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذرؓ کے مقصد کو پہنچ گئے فرمایا اے ابوذر۔ تم تو اسی کے ساتھ رہوگے جس کو پیار کرتے ہو حضرت ابوذرؓ بیتاب ہو کر چلائے کہ یا رسول اللہ میں تو اللہ اور اس کے رسول کو پیار کرتا ہوں اور انہیں کو دوست رکھتا ہوں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"تو اے ابوذر! تم اسی کے ساتھ رہوگے جسے چاہتے ہو
تم اسی کے ساتھ رہوگے جسے چاہتے ہو۔ تم اسی کے ساتھ
رہوگے جسے چاہتے ہو"

شہیدانِ محبت کے لئے حضرت ابوذر کا یہ سوال انشاء اللہ بہت ہی بہت انوار و صد اثر لئے ہے۔ اعمال میں کمزوریاں ضرور سہی آنحضور سے ارادہ ہے =

[illegible]

یقیناً ایک باب ہے لیکن

انت مع من احببت — تو اس کے ساتھ ہے جس کو محبت رکھتا ہے۔

بس یہی تھی زبان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب رضی اللہ عنہم کے لئے مژدۂ صادقہ ہے جس نے سچائی کی رسید دی۔ کیسی عمدہ ہے تم محبت کرکے دیکھو! دیکھنا کہ ابتدا سے جوڑ جوڑ بند بند ظاہر ہو یا من خود مشعر ہوگا۔

اب شان محبوبی کے جلوہ فرمائیوں کا بھی نظارہ کرو جانثاروں کے ساتھ کیا نوازشیں تھیں کیا کچھ مہربانیاں تھیں۔ حضرت ابوذر خود فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

لم یلقنی قط الا صافحنی	کبھی میری ملاقات ایسی نہیں ہوئی کہ آپ نے مجھ سے ہاتھ نہ ملایا ہو (یعنی جب بھی حضور کی سرفرازی نصیب ہوتی تھی)

دربار رسالت میں جب کسی کی زبان نہیں کھل سکتی تھی کسی کی کہ ہمارے نوازشوں نے ابوذر کو گستاخ کر دیا تھا کہ جو جی میں آتا تھا پوچھتے تھے خود فرماتے ہیں۔

انا کنت اسال عما یعنی اشد المسئلۃ من غیری	میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت پوچھ گچھ کرتا تھا اور مجھے بہت شوق تھا۔

سوال کی اسی شدت و کثرت کا نتیجہ تھا کہ آخر دنوں میں حضرت ابوذرؓ فرمایا کرتے۔

لقد ترکنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وما یحرک طائر جناحیہ	ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں چھوڑا کہ جب فضا میں اڑنے والے پرندے کے متعلق

مسند احمد ج ۵

فی السماء الا ذکر منہ علما | میں جس کی بابت ان سے عرض کیا

(مسند احمد)

صحبت و خدمت کی اس طویل مدت اور سوالوں کے پوچھ گچھ کے اس دور میں شاید ہی کبھی اپنے نیاز کیشانہ بارگاہ سراپا نعمت جھڑکی ملی البتہ ایک دفعہ جب حضرت ابو ذر اپنے حد و سے بہت آگے بڑھ گئے تو پھر عتاب ہوا۔ اور ایسا عتاب ہوا کہ حضرت ابو ذر بھی اس کو ہمیشہ یاد کرتے ہوئے فرماتے۔

فغضب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماغضب علی من قبل ولا من بعد (سنن بیہقی) | پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے غصے ہوئے کہ ایسا غصہ ۔ آیا غصہ آپ کو نہ اس سے پہلے آیا تھا اور نہ اس کے بعد کبھی آیا۔

قصہ یہ تھا کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "لیلۃ القدر" کی بڑی تلاش رہتی تھی ایک دن موقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگے کہ یا رسول اللہ کیا قدر کی رات صرف رمضان کے مہینے کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسرے مہینوں میں بھی واقع ہو سکتی ہے آپ نے فرمایا نہیں صرف رمضان میں۔ میں نے عرض کیا کہ کیا یہ رات محض اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ کے پیغمبر ہم میں ہیں یا ان کے بعد بھی اس کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں نبی کے بعد بھی یہ رات باقی رہتی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی میں نے عرض کیا کہ آخر رمضان کے کس عشرہ میں اس رات کو تلاش کیا جائے۔ آپ نے فرمایا "آخر عشرہ میں اور اول عشرہ میں اسے ڈھونڈھو"

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کسی اور گفتگو میں مصروف ہو گئے لیکن میں موقع کی تاک میں۔ اور ذرا فرصت پاکر پھر پوچھا کہ آخر ان دو عشروں میں سے کس عشرہ میں واقع ہوتی ہے فرمایا کہ آخر عشرہ میں اور اس کے بعد ارشاد ہوا کہ بس اب آئندہ کچھ نہ پوچھنا پھر آپ دوسری باتوں میں مشغول ہو گئے مگر میں تاک ہی میں لگا۔ اور موقع پاتے ہی باوجود ممانعت کے پوچھ بیٹھے ہوئے۔

اقسمت علیک یا رسول اللہ بحقی علیک لتحدثنی فی ای العشر ھی۔

حضور میرا جو آپ پر حق ہے اس کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ مجھے بتا دیجئے کہ عشرہ اخیرہ کی کس رات میں یہ رات واقع ہوتی ہے

پس اس کے بعد علم قلزم محبت میں جنبش ہوئی اور ایسی ہوئی جیسے تم حضرت ابوذر کی زبانی سن چکے کہ اس تلاطم کو نہ انہوں نے پہلے دیکھا تھا اور نہ بعد۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ دریائے محبت کے اس غضبی جوش کا منشا کیا تھا کیا باوجود ممانعت کے حضرت ابوذر کے پوچھنے پر غصہ آیا۔ شاید اس پر کہ ابوذر میں اب تک اپنا اتنا حصہ باقی ہے جس کی تعبیر "نفس کے حق" سے کی حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوذر کو جو کچھ بنانا چاہتے تھے اس کے اندر "حق" کی گنجائش کہاں رہتی ہے۔ بہرحال یہ الفت و محبت کی دائرہ کی باتیں ہیں ان رموز و اسرار تک محب و محبوب کے سوا کسی دوسرے کی کیا رسائی ہو سکتی ہے۔ میں تو اس وقت ان نوازشوں کا ذکر کرنا چاہتا تھا جو مختلف شکلوں میں جناب ابوذر پر دربار نبوت سے مبذول ہوتی رہتی تھیں واقعات بکثرت ہیں۔ لیکن سب سے نمایاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض موت کا ایک واقعہ ہے۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں

مرض شدت پذیر ہے عین اسی حال میں حکم ہوتا ہے کہ ابوذر کو بلاؤ، لوگ دوڑتے ہیں لیکن وہ وارفتہ جمال نبوی خدا جانے کدھر نکل گیا تھا تیسری دفعہ میں جب واپس ہوئے اور معلوم ہوا کہ طلبی ہوئی تھی ہانپتے کانپتے آستانے پر پہنچے باریابی ہوئی۔

حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ آپ لیٹے ہوئے تھے ضعف سے اٹھ نہ سکتے تھے میں آپ کی طرف جھکا اس وقت آپ کے دونوں ہاتھ بڑھے اور مجھے اپنے صدر منشرح سے چمٹا لیا[1] پھر اس کے بعد کیا ہوا اس کا پورا علم تو حضرت ابوذر کو ہوگا تاہم تماشائی دنیا کو بھی معلوم ہوا کہ اس کے بعد ابوذر کے چند روزہ ہی آرزو و خواہش کے خس و خاشاک جل کر کچھ اس طرح بھسم ہوئے کہ پھر کبھی نہیں اگے۔

مطلع سینہ نبوی سے ابوذر کے پہلو میں وہ درد اترا جس کے بعد انسان ہمیشہ مجنون و دیوانہ مشہور ہوا ہے۔

صحبت نبویہ کے آثار

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذین معہ (یعنی وہ بھی جو آپ کے ساتھ ایماناً تھے پر آپ کے زمانہ میں تھے) کے باہمی تعلقات کو ذہن نشین کرنے کے لئے ہمارے سامنے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس تمثیلی بیان سے غالباً زیادہ مؤثر کوئی چیز نہ ہوگی اپنے مکتوبات میں ایک مقام میں ارقام فرماتے ہیں۔

"آفتاب جگر آسمان پر ٹھہرا ہوا جلوہ افروز ہوتا ہے" دھوبی اپنے کپڑے صاف کرکے اس کی گرم گرم شعاعوں کے سامنے ان کپڑوں کو پھیلا کر

---

[1] مسند احمد بن حنبل

طلوع ہو جاتا ہے۔ مگر زمین کی ہر گردش میں یہ ہر جگہ پر واضح ہے کہ کچھ آدھا نا آشنیدہ ہونے جاتے ہیں اور دھوپ کا چہرہ اسی دھوپ میں اسی وقت ایک ہی ہوا ہیں اسی نسبت ساتھ سیاہ پڑا جاتا ہے۔

تم دیکھتے ہو کہ جب کہ ایک ساحلی شہر جیسے میں ایک بڑی آفتاب چمک رہا ہے۔ اس کے اردگرد سیکڑوں لاکھ ہزاروں ذروں کا اجتماع لیکن وہ جنہیں لوگ افضل البشر بعد الانبیاء سمجھتے ہیں صداقت کے رنگ کو اپنے اندر اس کی کرنوں سے پختہ کر رہا ہے۔ کسی میں فاروقیت یا حق و باطل کی قوت ممیزہ شدت پذیر ہو رہی ہے۔ کوئی ہے جو اپنے روح و جسم میں حیا کے تمام شعبوں کی تکمیل میں مصروف ہے کسی کا سینہ علوم و معارف کے لئے پرتو نیر اعظم سے منشرح ہو رہا ہے۔ اور جہاں یہ ہے وہیں چند اشقی القوم ایسے بھی ہیں جن کے قدم جہل و تیرہ دوری کی سیاہ کیچڑوں میں دھنسے رہے ہیں۔ گمراہی و شرارت کے سب شعلوں میں لپٹے جاتے ہیں۔

تبارک الذی بیدہ الملک
وھو علی کل شیء قدیر الذی
خلق الموت والحیوۃ۔

بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے
اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے
موت اور حیات کو پیدا کیا

انہیں دنوں میں ایک وہ دل بھی تھا جس پر غفاریوں کی خاندانی زندگی کے پردے پڑے ہوئے تھے اور جس پر شیروں کی قساوت و ہوسناکی کا بادل محیط تھا۔ لیکن ان حجابات کے اندر ایک مادہ سالکہ بھی پنہاں تھا جو اسی دن آفتاب کے نیچے خوش قسمتی سے آگیا ہے۔

سراج منیر آفتاب درخشاں کی تیز کرنیں اس پر بھی پڑ رہی ہیں

پر پڑے رہتے ہیں، پردہ چاک ہوتا ہے یعنی کہ جب ان کی اصلی دھجیاں اڑ گئیں تو میں نے بعد کو اور مجھ سے صدیوں پہلے دنیا کی بہترین جماعت نے وحی نبوی کی صداقت اب آوازوں میں سنا۔

من سرہ ان ینظر الی رجل	جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پرتو کو دیکھنا
عیسیٰ بن مریم فلینظر الی ابی ذر	چاہتا ہے وہ ابوذر کو دیکھے۔

یعنی کہ جب دیکھنے والوں نے دیکھا تو یہی سر زمین کے اس نبی میں جو آغوش روح القدس کے پرورش یافتہ تھے اور محمد علیہ الصلوات اللہ علیہ وسلام کی روحانی فیض یافتہ ذرہ کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ یہ ہمارے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جن کی فطرت میں بعض امور ذاتی سے زہد و تقوی کا تخم موجود تھا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع صحبت کی بدولت وہ دانہ پھل پھول کر ایسا برگ و بار لایا کہ اس کی شادابی دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حقیقت[1] جامعہ کی شاخ عیسوی کا اسے ایک مکمل نمونہ قرار دیا۔

بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نفس صحبت پاک کا یہی اثر تھا لیکن اسباب و علل کی تلاش کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بہت بڑا دخل سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت انتخاب اور طریقہ تعلیم کو بھی تھا آپ ہر شخص میں جس چیز کی مناسبت دیکھا کرتے اس کو اسی قسم کی

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی شان مبارک میں ارشاد فرمایا ہے۔ اوتیت علم الاولین والآخرین ۔ مگر اس مجموعہ تمام صفات کا مظہر سمجھے گئے اس لئے آپ کی ذات تمام انبیاء علیہم السلام کے حقیقی کمالات کی جامع تھی اور آپ کے بعض صحابہ میں کسی ایک کا پرتو آتا تھا وہ اسی پیغمبر کا مثل ہو جاتے تھے۔

تعلیم دیتے تھے جیسا کہ ان شاء اللہ کچھ تھوڑی سی تفصیل اس کی آئندہ پڑھو گے۔ تم لوگ وہیں سلف صالح کی ان آراء مستقیمہ کی صداقت بھی معلوم ہو گی جو فرماتے آئے کہ حدیث و قرآن سے تکمیل روح انسانی کے لئے ضرورت ہے کہ کسی شیخ طریقت کی حلقہ بگوشی بھی اختیار کی جائے، وجہ یہ ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بصورت قرآن و آثار و حدیث ہمارے سامنے ہے لیکن آج وہ قوت انتخاب کہاں ہے جو جانچے کہ فلاں شخص کے لئے فلاں تعلیم کی ضرورت ہے۔

حضرات صوفیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں خدا اس قوت کو پیدا فرماتا ہے اور وہ اپنے وابستوں کی جبلت کا اندازہ کر کے ان کے سامنے ارشاد و تعلیم فرماتے ہیں۔

طریقِ تعلیمِ نبوی

میں استیعاب تو نہیں کر سکتا تاہم مختصر مختصر طور پر اس کا ایک حصہ سنا کر پیش کرنے کی گنجائش بھی پاتا ہوں۔

محبت دنیا: اس باب میں سب سے پہلے جس جذبہ کو دبانا چاہئے وہ محبت دنیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصیت کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے دولت کی مذمت فرماتے۔ خود ابوذر فرماتے ہیں کہ میں کہیں (غالباً مدینہ آنے سے پہلے کا واقعہ ہے) کا ذکر ایک دن جا رہا تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دیوار کے سائے میں جلوس فرماتے، دور سے مجھے دیکھا اور جب قریب ہوا تو آپ نے فرمایا

ہم الاخسرون ورب الکعبۃ — وہی برباد و تباہ ہیں قسم ہے کعبے کے رب کی

ہم الاخسرون ورب الکعبۃ — وہی برباد و تباہ ہیں قسم ہے کعبے کے رب کی

حضرت ابوذر کو خیال ہوا کہ شاید میرے متعلق آپ پر کوئی وحی نازل ہوئی سامنے پہنچ گئی دوڑتے ہوئے آئے اور فرمایا۔

من ھم فداك ابی وامی — وہ کون ہیں؟ میرے ماں باپ قربان ہوں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الاکثرون اموالا الا من قال — زیادہ دولت والے لیکن جس نے کہا

ھکذا وھکذا وقلیل ما ھم — اس طرح اور اس طرح اور وہ بہت ہی تھوڑے ہیں

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں آپ نے اپنے دونوں ہاتھ کے اشارے بنائے اور آگے دائیں بائیں کی طرف اشارہ فرمایا یعنی جو خوب دے دے۔ غریبوں کے کام چلائے

شام کا وقت ہے صحرائے مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغرض سیر و تفریح تشریف لے جاتے ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ ہیں سامنے احد کا پہاڑ نظر آیا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا "ابوذر!"

حضرت ابوذر۔ لبیک یا رسول اللہ

آپ نے فرمایا۔

اے ابوذر! اگر اس احد کے برابر بھی چاندی میرے پاس سونا ہو تو میں اس کو بالکل پسند نہیں کروں گا کہ وہ ہمارے یہاں تیسرے دن تک رہ جائے۔

لیکن صرف اس قدر حصہ قرض داروں کے لئے بچا رکھ چھوڑوں میں سب کو ادھر ادھر اللہ کے بندوں پر تقسیم کر دوں۔ اور پھر ادھر سے

بنا بنا کر آپ دائیں بائیں اشارہ فرمانے لگے۔

حضرت ابوذر فرماتے ہیں۔ ہم پھر آگے چلے۔ آپ نے تھوڑی دیر کے بعد پھر ارشاد فرمایا۔

"ابوذر، وہی بے دولت ہیں جو دولت والے ہیں مگر صرف وہ
جو ادھر سے ادھر دے۔"[1]

پس وہ جنہیں خدا پیار کرتا ہے ان میں ایک وہ شخص ہے کہ ایک فقیر کسی قبیلہ میں آتا ہے اور قرابت کا واسطہ دے کر نہیں بلکہ خدا کا واسطہ دے کر ان سے کچھ مانگتا ہے اور قبیلے کے لوگ اسے کچھ نہیں دیتے ہیں لیکن وہی چپ چاپ اٹھتا ہے اور چھپا کر اس کے لیے اس طرح مدد کر دیتا ہے اس کی خیرات کا علم بجز خدا اور لینے دینے والے کے علاوہ کسی کو نہیں دوسرا وہ ہے جو کسی قافلے کے ساتھ رات بھر چلتا ہے حتی کہ جب قافلہ پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ کسی مقام پر اترپڑتے ہیں اور تکیوں پر سر رکھ کر سو جاتے ہیں لیکن وہ تھکا ماندہ مسافر اکیلا خدا کے آگے کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کی خوشامد کرتا ہے اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے

تیسرا وہ ہے جو کسی جنگ میں شریک ہے دشمنوں سے سپاہیوں کی مٹ بھیڑ ہو جاتی ہے اتفاق سے مسلمانوں کو شکست ہوتی ہے۔ اس وقت سینہ تانے آگے بڑھتا ہے پھر یا قتل ہو جاتا ہے یا مظفر و منصور واپس ہوتا ہے۔

اور جن سے خدا بغض رکھتا ہے وہ بڈھا زانی اور قلاش اکڑباز اور ظالم دولتمند ہے۔[2]

---

[1] مسند احمد۔ [2] مسند احمد۔

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"جو لوگ آج اونٹوں بکریوں گایوں کے مالک ہیں اور اس کی
زکوٰۃ ادا نہیں کرتے قیامت کے دن ان کی ہڈیاں بہت بڑی
اور موٹی ہو کر رہیں گی اور جب تک مال کا فیصلہ نہ ہوگا وہ اپنے
مالک کو سینگوں سے مارے گی اور اپنے قدموں سے کچلے گی۔
ایک قطار جب ختم ہو جائے گی تو دوسری آئے گی اور یہی
گت بنائے گی۔[1]"

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حدیث تو آخر عمر میں اکثر پڑھا کرتے تھے۔ کہ مجھ سے میرے محبوب نے عہد کیا۔ کہ جس نے سونے چاندی کو گرہ لگائی وہ آگ کے مالک پر انگارے ہیں[2]

صرف یہ حدیثیں بلکہ ایسے سیکڑوں اقوالِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کتب احادیث میں مذکور ہیں جن میں حضرت ابوذر کی تعلیم کا خصوصیت کے ساتھ پتہ چلتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں داخل ہوتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں۔

"ابوذر! مسجد میں جو سب سے زیادہ بلند رتبہ کا آدمی ہو دیکھو وہ کون ہے"

---

[1] مسند احمد اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مویشیوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب کہ وہ یا تو تجارت کی غرض سے پالے گئے ہوں یا ان کا اکثر زمانہ چرائی پر بسر ہوتا ہو ورنہ گھر پر کھلائے جانے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں۔

[2] اس حدیث کے متعلق حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص مسلک اور تشریح آگے ملاحظہ کریں۔ تمام تنقید اسی کے لئے ہے۔ ۱۲

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو جس کے بدن پر نہایت
قیمتی جوڑا تھا بیٹھا ہوا دیکھا [illegible] آپ نے فرمایا اچھا اب
دیکھو ان میں سب سے زیادہ گرا ہوا کون ہے۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ
میں نے ایک مسکین کی طرف جو نہایت پھٹے پرانے میلے کپڑوں میں
بیٹھا ہوا تھا اشارہ کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible]
[illegible] فرمایا

خدا کی قسم قیامت کے دن [illegible]
[illegible]
[illegible] ہوگا

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن معاش سے تنگ آکر
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لے گئے [illegible]
[illegible] آپ نے [illegible]
[illegible] فرمایا۔

[illegible]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور کی خدمت میں
[illegible] حاضر ہوا [illegible] لیکن آپ نے [illegible]

[illegible]

فرمایا۔ ؎

اس واقعے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طبیعتوں کی فطری نہاد کا اندازہ بہت ضروری ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو تو اس عہدہ پر فائز فرماتے تھے لیکن حضرت ابوذرؓ کے لئے اسے کیوں ناپسند فرمایا۔

حب جاہ و دنیا کی نہایت خاردار شاخ ہے اس کی نشوونما میں سب سے زیادہ تائید بخشنے والی چیزیں اور دوسروں کی دنیاوی ترقیاں ہیں۔ انسان پر کبھی ہستی ناپائیدار کی اصل حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے اور چند دنوں کے لئے اکثر بعض خدا ترسوں کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے مگر جہاں انسان دوسروں اپنے سے زیادہ دولتمندوں پر نظر پہنچی۔ ان کے اچھے مکان عمدہ لباس عمدہ کھانے خوبصورت پوشاک سواریاں سامنے سے گذریں۔ بس اسی وقت ایک انقلاب پیدا ہوتا ہے اور اسی کے بعد زر و دولت کے تمام جذبات گرم ہو بیٹھتا ہے روحانی خیالات سب سلب ہو جاتے ہیں اور دنیا کی ہوس دل و دماغ پر مسلط ہو جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا بھی علاج بتا دیا تھا اور وہ عمر بھر اسی پر عامل رہے۔ خود حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں۔

میرے خلیل یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے:

(۱) مسکینوں سے محبت کروں اور ان سے ملتا جلتا رہوں

(۲) اور مجھے فرمایا کہ میں اپنے سے کم رتبہ والے آدمی پر ہمیشہ نظر کروں

؎ مسند احمد

اور اپنے سے بلند مرتبہ پر کبھی نگاہ نہ ڈالوں در اصل اس مرض کا بہترین علاج ہے۔ فرض کرو کہ ایک آدمی جسے مل کا کرتہ اور لٹھے کا پاجامہ پہننے کو میسر ہو، دال روٹی اور بکری کا گوشت کھانے کو، ایک صاف ستھرا سی کا مکان رہنے کو ملتا ہے۔ اب اگر یہ اس شخص پر جس کے پاس گاڑی ہے کا بنگلہ، دولت اور ہر طرح کے عیش و عشرت کے علاوہ کچھ نہیں ہے نظر رکھے گا تو اپنی حالت پر شکر کرے گا اور خواہ مخواہ ان فضول مصائب میں مبتلا نہ ہوگا جو اسے اپنے سے زیادہ مالدار، زیادہ قیمتی لباس پہننے والے اور کھانے والے پر نظر کرنے کے بعد جھیلنے پڑتے۔ دنیاوی حاجت اور خوراک کا حل یہ بہترین مذہب ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں جو آج اس پر عامل ہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں اگر اس اصول پر انسان عمل کرے تو شاید اسے کبھی کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچ سکتی دنیا میں اور نہ آخرت میں بھی۔ وہ مشہور قول ہے جس کی تعبیر یوں سعدی نے کیا ہے "پیر کٹے آدمی کو دیکھ کر مجھے اس کا شکوہ نہ ہوا کہ میرے پاؤں میں جوتے کیوں نہیں ہیں۔"

حب مال کے بعد حب دنیا کا دوسرا جز جاہ و قوت کی محبت ہے جو اس سے بھی زیادہ خطرناک اور نظام عالم کے فساد کا باعث ہے۔ دنیا میں بندگان دولت سے جتنے فساد پیدا ہوئے وہ ان سے بہت ہی کم ہیں جو جاہ پسندوں کی دراندازیوں سے ظہور میں آئے۔

اس مرض کا اصل سبب صرف یہ ہے کہ انسان اپنے اندر جب کسی کمال کو محسوس کرتا ہے تو وہ کمال عطا کرنے والی قوت و عظمت کو بھول جاتا ہے اور سمجھنے لگتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں اور اسی کے بعد کوشش کرتا ہے کہ جہاں میں نے اپنے آپ کو کچھ سمجھا ہے کوشش کرنی چاہیے کہ دوسرے

وہیں ورنہ اگر کبھی میرے وجود باکمال کی اطلاع ہو پھر اس کے لئے جو کچھ تدبیریں اپنی اپنی پرواز کے موافق سمجھ میں آتی ہیں. کم دیکھا گیا ہے کہ مرض ہوگا ادنیٰ غلام اس کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا رکھتا ہو مناسبت کے انگاروں سے اپنا سینہ بھر لیتا ہے اور حلال وحرام طریقوں سے اپنے وجود کی خبر دنیا کے کانوں تک پہنچانے کی فکر میں مصروف رہتا ہے

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو کمال پیدا ہونے والا تھا ہو چکا تھا. وہ زہد اور تقویٰ کا کمال تھا. ڈر تھا کہ کہیں اس عجب وخود بینی نہ پیدا ہو جس کے بعد جاہ وعزت کا سیلاب خود بخود دنیا وآخرت کے چین کو بہا کرلے جاتا ہے. سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از وقت اس کا بھی انسداد فرما دیا. اور صاف لفظوں میں ابوذر کو مخاطب کر کے آپ نے ایک دن فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا! اے میرے بندو تم سب کے سب گنہگار ہو لیکن جسے میں محفوظ رکھوں پس تم سب کے سب مجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش کی درخواست کرتے رہو میں تمہیں بخشوں گا. جو مجھے صاحب قدرت جانتا ہے یعنی جانتا ہے کہ میں ہوں کہ خدا بخش سکتا ہے اور شاید اور اس نے میری قدرت کے وسیلے سے اپنے گناہوں کی معافی چاہی میں نے اس کے گناہ معاف کئے اور مجھے اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں۔

اے ہمارے بندو! تم سب کے سب گمراہ ہو لیکن

صرف وہ جسے میں ہدایت بتاؤں تو تم مجھ سے ہی ہدایت کی
استدعا کرو۔

تم سب کے سب محتاج و فقیر ہو لیکن صرف وہ جسے
میں غنی کروں تم مجھ سے ہی اپنی روزیاں طلب کرو اور یاد
رکھو اگر تمہارے مردے اور زندے اگلے پچھلے سب کے سب
خشک و تر سب کے سب ایسے کسی بندے کے انتہائی
پرہیزگار دل پر جمع ہو جائیں تو ان سب سے میری سلطنت
میں ذرہ برابر بھی کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔

اور اگر تمہارے زندے مردے اگلے پچھلے سب
کے سب جمع ہوں اور ہر ایک اپنی اپنی تمام امیدوں کا مجھ سے
سوال کرے اور میں سب کے سوال پورے کردوں تو اس سے
بھی میرے ملک میں کچھ کمی نہیں ہوگی لیکن صرف اس قدر کہ
ایک شخص سمندر میں اپنی سوئی ڈبو دے اور نکال لیتا ہے
اور یہ اس لئے کہ میں ہی بخشش والا بزرگ برتر اور تمام
مقاصد پر غالب ہوں کرتا ہوں جو کچھ چاہتا ہوں۔

میرا دینا بھی صرف میرا کلام ہے اور میرا عذاب بھی صرف
میرا کلام ہے میں جس چیز کا ارادہ کرتا ہوں اس سے کہتا ہوں
کہ ہو جا بس وہ ہو جاتی ہے۔

یزدانی جلال و جبروت کا یہ تقاضہ ہم اس کلام میں دیکھتے ہیں کیا اس کی
معرفت حاصل کرنے کے بعد اپنی ہستی یا اپنے مکاسب و کمالات پر کبھی کوئی
ناز کر سکتا ہے کیا اس کے بعد ایک لمحے کے لئے غرور گھمنڈ کی گنجائش ہو سکتی

دل میں چمک سکتی ہیں اور کیا اس کے بعد پھر بھی کوئی مومن بادشاہ جاہ و عزّ بقاء و غرور کے سبب کرۂ ارض پر کوئی فتنہ اٹھا سکتا ہے؟ آخر جب کہ ہم میں ہر ایک خطا وار ہے تو تقویٰ و عبادت پر ان کا دعویٰ غرور ہو سکتا ہے حالانکہ اس کی شہرت و عصبیت کی جد و جہد میں مبتلا ہو۔

جب کہ ارباب دول کی تمام ترقیاں صرف خدائے قیوم کے قبضۂ اقتدار میں ہیں تو کیا یہ زمین پر سینہ تاننے والا اگر احمق نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ ہمارے تمام اکابر و اصاغر بڑے اور چھوٹے مل کر بھی خدائی بارگاہ جلال میں پر پشہ کی برابر وزن نہیں رکھتے تو پھر انسان مشتے از خاک انسان کس پر اکڑتا ہے۔

اس کی شان بے نیازی کا جب یہ حال ہے کہ وہ ہدایت و رشد کے باب میں بھی صرف توفیق اور اپنے ہاتھ کو کام کرنے والا بتاتا ہے تو ایک واعظ و مصلح کس بنا پر اپنے مساعی کو قابل قدر ہستی سمجھ سکتا ہے۔

وہ اگر سب کچھ بھی کہتا ہے اور ہر لحظہ محتاج و نقیر ہیں تو

پھر تو ہمیں بھی یہ کرنا چاہئے کیوں؟

یہی وہ مسلّم مقصد تھے جس نے امیر میں وضع ابوذری پیدا کی صدیقی کا نقشہ کھینچ دیا جہ کیفیت یہ سب کچھ تھا اور اس سے بھی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی زبان اطہر قلب منزل سے حضرت ابوذر غفاری شان منزل زہد و فقر نصرت کو اور بیان کرتے رہتے تھے۔

لیکن آپ کی تمام تعلیم و ارشاد میں سب سے زیادہ خصوصی نظر پر ڈالنی چاہئے جہاں اسلام اپنی امتیازی شان کے ساتھ تمام ادیان

دل سے عطیہ نظر آتا ہے۔

تو ان دوست ہوتا ہوگا کہ اگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم تھی تو پھر اسلام نے رہبانیت کی کیا مخالفت کی۔ اور اسے غیر مسنون اعمال اور خود تراشیدہ امور میں کیوں شمار کیا

میں اسی سوال کے جواب کی طرف تمہیں متوجہ کرانا چاہتا ہوں عام طور پر سمجھ لیا گیا ہے کہ وہ تقویٰ اس کا نام ہے کہ آبادیوں کو چھوڑ کر ویرانوں اور بیابانوں میں نکل جانا چاہئے۔ اور وہیں کہیں تنہائی میں بیٹھ کر اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جانا چاہئے۔ حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

دوستوں سے خوش خلقی بھی نیکی ہے کسی بھٹکے ہوئے راستہ بتا دینا بھی صدقہ ہے کسی کمزور آدمی کی معاونت کرنی بھی صدقہ ہے اور تیرا اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہونا بھی صدقہ ہے [1]

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے (تعجب سے) پوچھا کہ حضور کیا بیوی کے ساتھ ہم بستر ہونے میں بھی صدقہ ہے! حالانکہ اس میں تو آدمی اپنے نفس کی خواہش پوری کرتا ہے کیا آدمی اپنی خواہش بھی پوری کرے گا اور اجر بھی پائے گا؟

سید الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا! اچھا بتاؤ اگر تم اس خواہش کو کسی ناجائز اور حرام طریقے سے پوری کرتے تو کیا یہ گناہ ہوتا حضرت ابوذر نے کہا یقیناً

---

[1] مسند احمد

آپ نے فرمایا۔ تم تو لوگ گناہوں کا نقصان کرتے ہو لیکن نیکی یہ
نہیں۔ عمرؓ! اپنا نہ زندگی گزارنے والے کسب و حرفت کرو جو بہتے
ہیں اور جب انہیں دنیاوی ضروریات ستاتی ہیں تو چاہئے یا تقاضا
جبکہ اچھے برتاؤ ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ
عنہ فرماتے ہیں کہ

"مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور فرمایا کیا تم
ایک ایسی بات پر بیعت کرو گے کہ اس کے بعد تمہارے لئے
صرف جنت ہے؟"

حضرت ابوذر نے کہا! جی ہاں اور میں نے ہاتھ پھیلا دیے۔ آپ نے
فرمایا کہ میں تم سے عہد لینا چاہتا ہوں کہ تم کسی آدمی سے کچھ نہیں مانگو گے
حضرت ابوذر نے کہا "بہت بہتر"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حتیٰ کہ وہ کوڑا بھی نہیں جو
تمہارے گھوڑے سے گر پڑے بلکہ تم اتر کر خود اٹھاؤ۔"[1]

ہمارے زمانے میں بعض درویشوں نے ایک طریقہ یہ بھی اختیار کر رکھا
ہے کہ ہر وقت منہ چڑھا ہوا ہے۔ کسی نے کوئی بات کی ہو یا نہ ہو ماتھے پر
پیشانی پر بل دیئے ہوئے رہا جاتا ہے

حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہرگز کسی قسم کی نیکی یا بھلائی کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر تمہارے پاس کسی
مسلمان کے ساتھ سلوک کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے تو اپنے بھائی کے ساتھ
کشادہ پیشانی سے[2]

---

[1] مسند احمد

ہم تو یہی دیکھتے ہیں کہ بعض گھروں پر ادھر کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ بجائے اپنے گھر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ بیوی بال بچے اقربا کی خبرگیری وہ بالکل نہیں کرتے ہوتا کہ یہ وجہ اس مقصد کے بالکل خلاف ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ انسان دنیا میں چند سال کے لئے جس کی مدت اس زمانہ میں ساٹھ ستر سال سے زیادہ نہیں محض آزمائش کے لئے بھیجا گیا ہے اور اصلی آزمائش یہی ہے کہ تمام مشغلوں میں مشغول ہو کر بھی اپنے خالق ذوالجلال کو نہیں بھولتا۔ حضرت بزرگ فرماتے تھے

> مجھے میرے محبوب نے وصیت کی کہ میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کروں اگرچہ وہ مجھ سے دور [illegible] سے سلوک اور یہ بہت مشکل ہے [illegible] ہوا کہ میں سب کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔

جذب و سرمستی اور اس کی حقیقت حضرت خواجہ کا یہ زرین مسلک تھا جو دور بعد حضرت بزرگ کے اصل جوہر کو چمکا دیتا تھا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر لحظہ ہر وقت حضرت باری کی حرکت و سکون پر نظر رکھتے تھے اور حضرت بزرگ کا یہ حال تھا کہ جو کچھ کہا جاتا اور جس وقت کہا جاتا فوراً ان کی روح سے جذب کر لیتی اور اس خوشی کے ساتھ اسے قبول کرتی کہ پھر دنیا کی کوئی قوت اس رنگ کو کسی طرح مٹا نہیں سکتی تھی۔ یہ ممکن تھا کہ وہ خود اپنی ہستی مٹا بیٹھتے لیکن یہ بالکل ناممکن ہوتا تھا کہ جو رنگ ان پر چڑھا دیا گیا تھا وہ زائل ہو کر یا پھیکا پڑتا

لہ سنہ ۔۔۔

مثلاً اسی زمانہ میں جب کہ آپ شروع شروع دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے ایک دن غصہ میں آکر ایک صحابی (حضرت بلالؓ) کو ان کی غلامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

یا ابن السوداء ۔۔۔ [illegible] لونڈی کے

کہہ دیا۔ حضرت بلال سیدھے دربار نبوت تک پہنچے اور ابوذر پر دعویٰ دائر کر دیا کہ انہوں نے مجھے گالیاں دی ہیں۔ اسی وقت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طلبی ہوتی ہے حاضر ہوتے ہیں بارگاہ نبوت سے سوال ہوتا ہے۔

[illegible] ۔۔۔ [illegible] ماں کے ساتھ طعنہ دیا کیوں؟

ابوذر کا زندہ ضمیر مجرم تھے۔ جو ہے مجرم کر اپنے اندر اس صحبت الٰہی کے بعد وہ صحبت نبوت حاصل ہوئی تھی چھپا نہیں سکتا تھا صاف صاف تقصیر کے بغیر کسی تاویل یا جھوٹے اسباب کے اقرار کر لیا اور بولے۔

نعم ۔۔۔ [illegible]

وراثت روایات، عقائد، معاملات کی تخم جہاں پیدائش میں کسی امتیاز کا درجہ بنیاد سے ہو رہا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل فیصلہ سادہ زمانے کے پھر دریافت فرمایا۔

افعلت من امہ ۔۔۔ [illegible] ماں کی طعن کی ہے۔

حضرت ابوذر نے اس کے جواب میں بھی کہا۔

نعم ۔۔۔ [illegible]

کے ذریعہ ضمیر کا اعتراف کیا۔ اس کے بعد ایک کنائی شکل میں کہا یہ تھا

تعلیم کے مقابلہ میں غلاموں کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ نمونہ ملتا ہے

انک امرؤ فیک جاہلیۃ	تو ایک ایسا آدمی ہے جس میں جاہلیت ابھی تک موجود ہے۔

اس کے بعد متن پر حسب ذیل فقرہ درج ہے جسے امام بخاری نے جامع میں حضرت ابوذر سے روایت کیا ہے کہتے ہیں اپنے بارے میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے "جاہلیت" کے خطاب پانے کے بعد جواب بڑھاپے میں ابوذر نے بے ساختہ یہ جملہ کہا:

علی ساعتی هذه من کبر السن	کیا اب اس وقت بھی میری بڑی عمر میں بھی جاہلیت باقی ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نعم	ہاں

طبقات ابن سعد میں اتنا اور اضافہ ہے کہ

ما ذهبت اعرابیتک بعد	تمہارا گنوار پن ابھی تک نہیں گیا ہے

اس زجر و توبیخ کے بعد آپ نے نہایت نرمی اور شفقت سے سمجھانا شروع کیا

"یہ لوگ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں (یعنی کسی کو اس کے
مملوک ہونے کے سبب سے ذلیل نہ سمجھو جس طرح اپنے بھائی
کو ذلیل نہیں سمجھتے) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تمہارے سپرد کیا
ہے جو کھانا تم خود کھاتے ہو وہی
کپڑا پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔

ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ مغلوب و عاجز آجائیں"

اگر کسی خدمت میں تم کو مشکل کام پیش آئے تو اس میں ان کا ہاتھ بٹاؤ

اتر جاتا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر کے کان میں ان لفظوں کو
ڈال دیا لیکن اس کے بعد دیکھئے دوسروں نے ان کی برقی تاثیر ان کرامتوں کو
دیکھا دوبارہ پوچھا کہ حضرت ابوذر گھر سے باہر نکلے ہیں غلام بھی ساتھ
ہے۔ جو کپڑے اپنے بدن پر ڈالے ہوئے ہیں ٹھیک اسی قسم کا پیراہن
غلام کے دوش پر پڑا ہوا ہے۔ لوگوں نے ٹوکا بھی کہ حضرت آپ نے
جو چادر غلام کو دے دی ہے اگر اسے بھی آپ ہی اوڑھتے تو بہت بھلی
ہو جاتا۔ مگر یہی ابوذر جو کبھی ایک آزاد غلام کو بھی زندگی بھر پہنچنے سے
نہیں سمجھتے تھے اب کہتے ہیں

اخوانکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اطعموھم مما تاکلون والبسوھم مما تلبسون۔

یہ تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے ماتحت کیا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔

پہلے کیا تھے کیا ہوگئے

یہ بھی ملحوظ رہے کہ ... جب کسی قول یا عمل کی ضمیر ...

ذہنیت کا اثر کامل دل پر جہاں کہیں بھی پیدا ہو جاتا ہے مستحکم ہو کر
قائم ہو۔ تبصرہ صاحب کیسی ہی اس شکل میں ہو جو فرمان رسالت
اور ابوذر کے درمیان تھی تو آپ یقین کیجئے کہ اس کے بعد تعلیم تسلیم
نہیں رہتی۔ اطاعت فرمان برداری کا زینہ بہت اونچا ہو جاتا ہے۔

ے صحیح بخاری و مسلم

رضا اضطرار و مجبوری کے قالب میں ڈھل کر رفتہ رفتہ عشق اور عشق کے بعد جذب و جذبہ وارفتگی کی صورت میں ظاہر ہو کر بالآخر برہم زنِ اپنے صبر و قرار، عقل و ہوش ثابت ہوتی ہے۔

دنیا نے ہمیشہ اس کیفیت کو خواہ وہ کسی سبب سے ہو جنون و دیوانگی سے تعبیر کیا ہے اور مذہب و تصوف کے محاورہ میں ایسے نفوس کو مجاذیب و بہالیل کا خطاب دیا گیا۔

مجذوبوں کی اصل اور ان کا سرچشمہ

اگرچہ تصوف نے اس مسئلہ پر کوئی قطعی رائے قائم کرنی مشکل ہے تاہم واقعات کی رہنمائی میں اس کا سراغ ضرور ملتا ہے کہ جس طرح آج اسلام کی مختلف شاخیں مختلف اصحاب ہی کے ذریعہ اشاعت پذیر و متعلق کی طرف منسوب ہیں اسی طرح طائفہ مجاذیب و بہالیل جو فقراء کی مشہور جماعت ہے اس کے سنگ خشت اول قرن صحابہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

حالات موجودہ میں اس کی مکمل نشانیاں تم اس میں ڈھونڈ سکتے ہو اور نہ صرف اس قدر بلکہ مجذوبوں کی اصل حقیقت پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح حیات سے پوری روشنی پڑتی ہے۔ ایک معیار ملتا ہے جس پر زمانہ حال کے مجذوبوں کو جانچا جا سکتا ہے۔

آپ کی مجذوبانہ وضع

سب سے پہلے جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ آپ کی وضع اور ہیئت ہے جو طبقات ابن سعد مسند احمد وغیرہ دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بال پریشان رہتے تھے داڑھی بالکل الجھی ہوئی رہتی تھی خود اس میں کبھی کنگھی وغیرہ نہیں فرماتے تھے۔ کوئی آدمی جب آپ کو اس حال میں دیکھتا تو کہہ دیتا کہ مجذوب ہے

پڑے بدل دیتا، بال جھاڑ دیتا

قبیلہ بنی شیبہ کا ایک شخص آپ کی ہیبت کے متعلق راوی ہے۔

مر بنا شیخ اشعث ابیض	ایک شیخ ہمارے سامنے سے گزرے
الرأس واللحیة فقالوا هذا	ان کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے
من اصحاب رسول الله	ہوئے تھے لوگوں نے کہا کہ
صلی الله علیه وسلم	یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں
فاستأذناه ان نغسل رأسه	ہم نے اجازت چاہی کہ ان کا سر دھو دیں
فأذن لنا واستأنس بنا	انہوں نے اجازت دی اور ہم سے مانوس ہوئے

کتاب کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں لیکن خیال آتا ہے کہ غالباً یہ

واقعہ بھی ایک واقعہ ہی کے قریب پیش آیا

آپ کے حلیہ	یہی وجہ ہے کہ بزرگ آپ کا حلیہ بیان کرتے ہیں وہ اس پر متفق ہیں کہ آپ دراز قد لمبے بال والے تھے
سرانغ مذہب	لیکن رنگ میں لوگوں کا اختلاف ہے طبقات میں

ایک جگہ ہے کہ آپ گندم گوں تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ کا رنگ سیاہ تھا۔

علمائے محدثین اس تعارض کو جس طرح چاہیں رفع کریں لیکن میرے خیال میں تو یہی ثابت ہے کہ اصل رنگ آپ کا گندم گوں تھا مگر اس وجہ سے کہ سفر بکثرت رہتا ہو اس کا رنگ میل کچیل گرد و دھوپ سے اگر سیاہ پڑ جاتا تو کیا عجب ہے؟

له طبقات ابن سعد حصہ [illegible]

له طبقات صفحہ [illegible]

سڑکوں پر سجدے کرنا

خصوصاً جب روایتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے بعض شاگرد سڑکوں اور عام شاہراہوں پر سجدے کیا کرتے تھے جس سے گمان ہوتا ہے کہ یہ شاگردوں کی حرکت استاذ ہی کی تقلید ہوگی۔ اس لئے نقل کرتا ہوں کہ اس سے بھی آپ کی مجذوبانہ کیفیتوں کا پتہ چلتا ہے۔

مسند احمد میں ہے ابو عوانہ اور سلیمان اعمش یہ دونوں کسی راستے سے گزر رہے تھے چلتے چلتے یہ سلسلہ جاری ہوا کہ انھوں نے مجھے قرآن سنانا شروع کیا۔ اور میں نے ان کو اس عرصہ میں جہاں سجدہ کی آیت آجاتی تو وہ سڑک ہی پر سجدہ میں گر جاتے۔ میں نے کہا۔

اتسجد فی السکۃ | کیا سڑک پر ہی سجدے کرتے ہو۔

اس کے جواب میں وہ بولے کہ میں نے ابراہیم تیمی سے سنا وہ اپنے والد سے روایت کرتے تھے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ میں نے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ روئے زمین کی سب سے پہلی مسجد کون ہے؟ آپ نے فرمایا مسجد حرام (کعبہ) میں نے عرض کیا پھر کون سی؟ آپ نے فرمایا مسجد اقصیٰ (بیت المقدس کی مسجد) میں نے عرض کیا دونوں کے تعمیر میں کتنا فاصلہ ہے۔ آپ نے فرمایا چالیس سال۔[1] اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اینما ادرکتک الصلوۃ فصل فھو مسجد | جہاں کہیں بھی نماز کا وقت آجائے تم وہیں نماز پڑھ لو کہ وہی مسجد ہے۔

---

[1] غالباً غرض یہ ہے کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام نے بیت المقدس کی مسجد کی بنیاد تعمیر کعبہ کے چالیس سال بعد کی۔ بائبل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے تفصیل کے لئے غایۃ البرہان [illegible] دیکھنا چاہئے۔

اس حدیث سے سڑکوں پر سجدہ کرنے کی اجازت کا استنباط بظاہر حضرت ابو ذر کی افتادِ طبع کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سڑک تو بہر حال کچھ نہ کچھ صاف ہوتی ہے اور سجدہ کے لئے زیادہ گنجائش کی ضرورت بھی نہیں۔

حضرت ابو ذر کا تو یہ حال تھا کہ لیٹنے تک کے لئے وہ یہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ کہاں لیٹ رہے ہیں۔ کس جگہ لیٹ رہے ہیں۔

نحو کے امام اول حضرت ابو الاسود دوئلی سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابو ذر اپنے ایک تالاب سے کھیتیوں کو پانی دے رہے تھے۔ چند مسلمان ادھر سے گزر رہے تھے، حضرت ابو ذر کو دیکھ کر انہیں خیال آیا کہ کاش! ایسے مقدس بزرگ کے مزاج مبارک پر آتا بانے نہ کیا اچھا ہوتا، آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کوئی ہے جو اس کام کو انجام دے۔ ان میں سے کسی ایک نے اس مہم کا بیڑا اٹھایا اور بولا ہاں! میں اس کام کو کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ تالاب پر پہنچا لیکن (بدقسمتی سے شاید اضطراب میں اس سے کچھ ایسی حرکت سرزد ہوئی) کہ تالاب کا کنارہ اس کی حرکت سے ٹوٹ گیا۔ یہ دیکھتے ہی حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہیں تالاب کے پاس زمین پر بیٹھ گئے اور پھر بیٹھنے ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اسی مرطوب کیچڑ سے بھری ہوئی زمین پر لیٹ گئے۔ اس شخص نے پوچھا کہ حضرت یہ آپ یکایک بیٹھ کیوں گئے، اور بیٹھنے کے بعد لیٹے کیوں؟ حضرت ابو ذرؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ

"اے شخص مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جب کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہوا ہے تو چاہئے کہ

۱؎ مسند احمد صفحہ ۵ – ۱۲

فوراً بیٹھ جائے کہ اس سے غصہ جاتا رہتا ہے۔ ورنہ پھر لیٹ جائے"۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر کو تالاب کے توڑنے والے پر کچھ غصہ آگیا تھا۔ اسی کے علاج کے لئے آپ بیٹھے، لیکن مجذوبانہ غصہ تھا، نہ اترا۔ لیکن محمدی جذب کا اثر دیکھو! کہ جذب کے ساتھ اس کا بھی ہوش باقی ہے کہ ایسے موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا ہدایت ہے؟ اس پر عمل کرتے ہوئے آپ اسی زمین پر لیٹ جاتے ہیں، خدا جانے اس کے بعد اس بیچارے نے جس مہم کے سر کرنے کا وعدہ اپنے رفیقوں سے کیا تھا وہ سر ہوا بھی یا نہیں کہ روایت اس پر ختم ہو گئی ہے مجھے تو اس روایت سے صرف یہ دکھانا تھا کہ جو آدمی اتنی لاپروائی کے ساتھ تالابوں کنوؤں کے کنارے کی مرطوب زمینوں پر اس طرح لیٹ جاتا ہو کیا بعید ہے کہ سڑکوں پر سجدہ کرنے کا طریقہ شاگردوں نے اپنے اسی استاذ سے سیکھا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وارفتگی اور استغراق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سفروں میں سب سے زیادہ دشوار زیادہ مشکل سفر تبوک کا تھا۔ حتیٰ کہ بعض صحابہ سے بھی اس کی شرکت میں لغزش ہوئی۔ جس کے واقعات عام طور سے مشہور ہیں۔ بہرحال اس غزوہ میں حضرت ابوذر بھی شریک تھے۔ عام طور پر چونکہ امتحان اور جانچ کا موقع تھا صحابہ ایک دوسرے پر نظر رکھتے تھے کوئی آنکھیں بچا کر نکل تو نہیں جاتا ہے۔ اتفاق سے حضرت ابوذر حسب عادت ایک دن قافلہ والوں سے پیچھے رہ گئے تھا یا زنجیری ہوئی تھیں۔ فوراً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا" کہ ابوذر بھاگ گئے۔

بھاگ گئے۔"

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش اقدس تک جب یہ خبر پہنچی تو آپ کو سخت رنج ہوا۔ آپ پر حضرت ابوذر کی وفا شعار فطرت آئینہ کی طرح واضح تھی۔ آپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد یقین کر لیا تھا کہ ابوذر کے سینہ میں جو دل ہے وہ کبھی ابوذر کے پاؤں کو پیچھے نہ ہٹنے دے گا لیکن آپ مجبور تھے۔ اس وقت صحابہ کی ان پے در پے گزارشوں کا کیا جواب دیتے صرف اس قدر فرمایا کہ۔

"چھوڑ دو اس کو چھوڑ دو اگر اس کی ذات میں کوئی بہتری ہوگی تو خداوند تعالیٰ خود تم لوگوں سے ملا دیں گے۔"

اس قدر فرما کر آپ خاموش ہو گئے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا سہارا کیسا تھا۔ لیکن دل میں حضور کے یہ تمنا ضرور جاگزیں تھی کہ کاش ابوذر ملنے میں جلدی کرتا۔ اور لوگوں کو جو اس کی جانب سے بدگمانی ہو گئی ہے وہ جلد دور ہو جاتی۔

آخر یہی ہوا کہ یکایک آپ کو ہوش آیا۔ اب جو دیکھتے ہیں تو قافلہ غائب ہے۔ نہ صحابہ کرام ہیں نہ وہ ہیں جن کو دیکھنے کے بعد انہیں کسی چیز کو دیکھنا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے بچھڑنے کا انیس ادھر احساس ہوا۔ ادھر دل تھا کہ عجلت اور تیزی کی آرزوؤں میں ڈوب گیا اونٹ کچھ تو قدرتاً سست تھا۔ پھر تکیل کو ڈھیلی پا کر بہت زیادہ ڈھیلا ہو گیا تھا آپ نے ایڑ لگائی، کوشش کی کہ۔ لیکن لوگ میلوں آگے نکل چکے تھے۔ ان کا پھر پانا دشوار ہو گیا اور بیان بے تابی حد سے زیادہ گزر رہی تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ کیا کیجئے۔ آخر تھک کر آپ اونٹ سے

اتر پڑے جو کچھ سامان سر پر لاد سکے لاد لیا۔ اونٹ کو مع پالان وغیرہ کے وہیں چھوڑ کر دوڑتے ہوئے تلاش محبوب میں قدم بڑھانا شروع کیا۔

انجام کار، ہانپتے کانپتے قافلے کے قریب آگئے کسی صحابی کی نظر پڑی کہ کوئی شخص پیادہ پا بعجلت تمام آرہا ہے۔ لوگوں کو خیال تھا حضرت ابوذر تو اونٹ پر سوار ہیں اس لئے یہ کوئی اور شخص ہے فوراً غل ہوا کہ کوئی آرہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لوگوں نے اطلاع دی کہ جنگل میں کوئی اکیلا تن تنہا پیادہ پا آرہا ہے۔ غرض کہ ہر شخص "کوئی آرہا ہے کوئی آرہا ہے" کی آواز بلند کر رہا ہے۔

لیکن حضور نے جب دیکھا تو ارمان بھرے دل سے جو آواز نکلی آہ! کہ وہ یہ تھی۔

کن اباذر کن اباذر — | ابوذر ہی ہو - ابوذر ہی ہو

ان لفظوں میں کیا سچائی ہے تم کو کیا معلوم، تخیلات ان سے پوچھو کہ اس کلمہ ایجاد میں کتنے ہزاروں کی جانیں پوشیدہ ہیں اللہ اللہ [illegible] ابوذر کی اس صورت کو دیکھ کر رحم آتا ہے۔ اور یوں زندہ کیا جاتا ہے۔ ابوذر اپنی ہستی کو کھو بیٹھے تھے۔ اور جو اس طرح اپنی ہستی کو کھوتا ہے وہ یوں ہی پاتا ہی اور لباس وجود دوبارہ اسے اسی طرح پہنایا جاتا ہے۔ ؎

سینہ کا داغ ہے وہ نالہ جو لب تک گیا | خاک کا رزق ہے وہ قطرہ جو دریا نہ ہوا

نہیں ہو سکتا تھا کہ ادھر سے یہ ایک آواز اٹھتی اور دوسری طرف سے گم ہونے والا ابوذر پھر پیدا نہ ہو۔ آخر یہی ہوا۔ چند ہی منٹ کے بعد صحابہ میں غل ہوا کہ "ابوذر ہی ہیں" ابوذر ہی ہیں"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا یہ سنتے ہی آپ حضرت ابوذر کی

طرف ایک رحم انگیز نگاہ ڈالتے ہوئے یہ الفاظ فرمانے لگے

رحم الله اباذر یمشی وحدہ ویموت وحدہ ویبعث وحدہ[1] | اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائیں۔ بیچارہ اکیلا چلتا ہے اکیلا مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا

مجذوبانہ لباس

آپ کسی خاص لباس کے رہین منت نہ تھے جو جس قسم کا کپڑا پہنا دیتا پہن لیتے۔ کبھی کبھی لوگوں نے عمدہ حلے آپ کے جسم مبارک پر دیکھا ہے۔ جو عرب کے بہترین لباسوں اور جوڑوں میں خیال کیا جاتا تھا۔ اور کبھی نہایت ہی خستہ و شکستہ خرقہ و گدڑی میں پھرتے۔ نہ آپ کو اس کی خوبصورتی اور شان کی کوئی پرواہ تھی۔ اور نہ ان ذلیل کپڑوں کی وجہ سے آپ دل تنگ ہوتے تھے۔

کبھی کوئی کپڑا نہ ملتا تو کمبل ہی اوڑھ کر باہر نکلتے، ایک دن آپ بدوؤں کا سا کمبل ہی اوڑھے ہوئے تشریف لے جا رہے تھے کسی نے پوچھا کہ "آپ کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہ تھا" جواب میں فرمایا "کہ ہوتا تو تم اس کو ضرور میرے بدن پر دیکھتے۔ اس شخص نے کہا "کل دو دن ہوتے ہیں کہ آپ پر میں نے نہایت عمدہ جوڑا دیکھا تھا (وہ کیا ہوا)" بولے کہ "تھا تو! لیکن ایک شخص کو میں نے دیکھا جو اس کا محتاج مجھ سے بھی زیادہ تھا۔ اس لئے اس کے حوالہ کر دیا"

اس شخص نے کہا "کہ ہرگز نہیں آپ سے زیادہ محتاج اس کپڑے کا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا (یعنی جس شخص کے پاس بجز پھٹے پرانے کمبل کے اور کچھ نہ ہو اس سے زیادہ اور کون محتاج ہو سکتا تھا)"

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شخص کی ضد کو دیکھ کر آگ بگولہ

---

[1] صحیح زاد المعاد ۱۲ [2] مسند احمد ۱۲

ہوگئے اور نہایت کرخت لہجے میں فرمانے لگے "خدا تجھے بخشے تو دنیا کو عظمت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے، کیا میرے جسم پر یہ جامہ نہیں (یعنی جُبّہ جبل ہی کی ہے، لیکن ہے تو اور اس شخص کے پاس تو یہ بھی نہ تھی۔) اور کیا ایک چادر نماز پڑھنے کے لئے میرے پاس نہیں"۔ پھر فرمایا۔

"اے شخص! میرے پاس بکریاں ہیں جن کا میں دودھ پیتا ہوں اور میرے پاس گدھے ہیں جن پر بازار کی چیزیں خرید کر لاتا ہوں، غلام ہیں جو میری خدمت کرتے ہیں اور کھانے پکانے میں میری مدد کرتے ہیں اور ہاں عید، بقر عید کے لئے ایک عبا بھی میرے پاس ضرورت سے زیادہ ہے۔ پس تم خود انصاف کرو کہ ان نعمتوں سے بڑھ کر بھی کوئی نعمت ہو سکتی ہے؟ بلکہ جو عبا میرے پاس زائد ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے اس کا محاسبہ[1] نہ ہو۔

بستر مبارک

عموماً سونے لیٹنے بیٹھنے کے لئے ٹاٹ استعمال فرمایا کرتے تھے، کسی نے عرض کیا کوئی نرم گدا اپنے لئے کیوں نہیں بنواتے؟ ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے۔

"خدایا دنیا میں تو نے جو چیزیں اپنی مرضی سے عطا کی ہیں میں
اس کے متعلق بھی مغفرت کا طلب گار ہوں"

غالباً مطلب یہ تھا کہ نعمتوں کا لینا آسان نہیں۔ نعمت کے بعد اس کے حقوق جو منعموں پر عائد ہوتے ہیں، مشکل ہے بھول جانے والے ناقدر انسان کا ان حقوق سے عہدہ برا ہونا مشکل ہے، کس حد تک اس کا شکر ادا کر سکتا۔ اپنے دوسرے ہم جنسوں، قرابت داروں، عزیزوں کے جو حقوق اس میں پیدا ہوگئے۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۱۲

یہاں تک لے اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک طریقے سے پہنچا سکا پس پتا تو یہ ہے کہ ہر نعمت کے بعد بھی تقصیرات کے عذر بھی اسی قدر کرنے چاہئیں جتنی ہماری تقصیریں ہیں۔

آپ کی عبادت پر جذب کا اثر

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے متعلق گمان کہ وہ نماز، روزہ یا دیگر شرعی تکلیفات سے آزاد ہو گئے ہوں گے ان کی کیفیت کو ناقص اور غیر مکمل بنا دیتا ہے۔ نماز کی پابندی تو اور بات ہے یہ بھی کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ انہوں نے وقت سے ٹال کر کوئی نماز پڑھی ہو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی کے ساتھ ان کو وقت پر نماز پڑھنے کی تاکید کی تھی۔

آپ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے کہ کونسا عمل افضل ہے تو آپ یہی فرماتے کہ وقت پر نماز پڑھنی[1] اور نہ صرف اس قدر بلکہ آپ نے تاکید کی تھی کہ ابوذر! اگر امرا نماز میں تاخیر کریں اور وقت سے ٹال کر پڑھیں تو تم اپنی نماز وقت پر پڑھ لیا کرو اور پھر ان کے ساتھ مسجد میں آکر شریک ہو جاؤ۔ یہ نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی[2]۔

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابوذر پر باوجودیکہ جذب کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا لیکن آج تک کسی روایت سے باوجود تجسس کے مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ سے کسی وقت کی نماز چھوٹی ہو۔ ہاں اس کے برخلاف البتہ روایتیں ہیں کہ ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو نہانے کی ضرورت ایسے مقام پر ہوئی کہ وہاں پانی

---

[1] مسند احمد ۱۲ [2] طبقات ابن سعد ۱۲

موجود نہ تھا۔ تیمم کا مسئلہ آپ کو چونکہ معلوم نہ تھا۔ اس لئے دوڑتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر چلانے لگے۔

هلكت يا رسول الله | میں تباہ ہو گیا یا رسول اللہ

آپ نے پوچھا "کیوں کیوں" ؟ بولے کہ "میں جہاں تھا وہاں میرے ساتھ میری بیوی بھی تھی۔ مجھے نہانے کی ضرورت ہوئی اب کیا کرتا۔ نماز قضا ہوئی "گویا اسی کو اپنی ہلاکت سے تعبیر کر رہے تھے یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تیمم کا طریقہ بتایا۔

نماز چھوڑنے تو کجا ان تک روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خصوصیت کے ساتھ نماز کے مسئلہ میں آپ کا انہماک اس درجہ پر پہنچا ہوا تھا کہ خود ہی فرماتے ہیں۔ کسی سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا کی نماز پڑھائی اس کے بعد آپ نے دیکھا کہ لوگ نماز کے بعد بھی اٹھنا نہیں چاہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اپنی قیام گاہ کی طرف اٹھ کر چلے گئے جب آپ نے اچھی طرح اندازہ کر لیا کہ لوگوں کی آنکھیں گھنا گئیں (یعنی بند ہو گئیں۔ لوگ سو گئے) اور سناٹا ہو گیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس مقام پر تشریف لائے جہاں عشا کی نماز پڑھائی تھی اور تنہا نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ میں تاک میں تھا جھپٹ کر آیا اور نیت باندھ کر حضور کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ میرے داہنے جانب کھڑے ہو جاؤ میں کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ابن مسعود بھی (جو غالباً اسی فکر میں کہیں چھپے بیٹھے تھے) وہاں پہنچے۔ چاہا کہ کھڑے ہوں۔ حضور نے اشارہ فرمایا کہ بائیں جانب کھڑے ہو جائیں۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں اس کے بعد ہم دونوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں

صرف ایک ہی آیت کو دہرانا شروع کیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ
حضور روتے جاتے تھے۔ بہرحال حضرت ابوذر کا بیان ہے کہ حضورؐ نے
اسی ایک آیت کو اتنی بار دہرایا کہ صبح کا سپیدہ طلوع ہوگیا۔ اور لوگوں
کے ساتھ آپ نے نماز فجر ادا کی۔ ہم اور ابن مسعود اس کے بعد جب
آپس میں ملے تو میں نے ابن مسعود سے کہا کہ حضورؐ سے پوچھئے کیوں نہیں
کہ رات آپ یہ کیا شغل فرما رہے تھے؟ عبداللہ بن مسعود نے ہاتھ
ہلا کر کہا نہیں بھائی میں کوئی بات حضور سے خود نہیں عرض کرسکتا۔
جب تک آپ ہی اس کے متعلق کچھ نہ فرمائیں۔ تب میں نے خود جرأت
کی (اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت ابوذر کو بارگاہ نبوت میں اس سے
زیادہ فراخیاں حاصل تھیں کہ جس طبقہ سے آپ کا تعلق تھا ان معاملات
میں ان کے ساتھ عموماً نرمی ہی کا برتاؤ کیا جاتا ہے)

بہرحال دل مضبوط کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
حاضر ہوئے اور جیسا کہ ان لوگوں کے متعلق مشہور ہے کہ "درکار خویش ہشیار"
اس سے نہیں چوکتے۔ بڑے منہ سے تمہید اٹھاتے ہوئے عرض کرنے لگے

بابی انت وامی قمت بایۃ من القرآن ومعك القرآن	آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ نے ایک ہی آیت کے ساتھ نماز پڑھی حالانکہ آپ کو پورا قرآن دیا گیا

اس کے بعد فرماتے ہیں اور کتنے معصومانہ لہجے میں فرماتے ہیں۔

لو فعل هذا بعضنا لوجدنا عليه	اگر ہم میں سے کوئی عام آدمی یہ کرتا تو ہم اس سے بگڑ جاتے۔

اس کے جواب میں امت مرحومہ کے رؤف و رحیم رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے
جو کچھ فرمایا خدا جانے کتنوں کو دیوانہ بنانے کے لئے کافی ہے۔ ارشاد ہوا۔

آپ اپنی امت کے لئے گڑگڑا رہا تھا۔

حضرت ابوذر کی زبان کھل چکی تھی اب کیا رکتی۔ سوال آگے بڑھا۔ پوچھنے لگے کہ

"تو پھر آپ کو کیا جواب ملا؟ اور حق تعالیٰ نے کیا فرمایا۔"

گناہگاروں کے شفیع "آقائے کرم گستر" نے اس کے جواب میں فرمایا

"مجھے وہ جواب ملا کہ اگر اس کی بھنک بھی لوگوں کو مل جائے تو لوگ نمازیں چھوڑ بیٹھیں۔"

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت دوسرے حال میں تھے جوش سے سینہ معمور تھا۔ عالم سرمستی میں بولے۔

"تو کیا دنیا کو یہ بشارت سنا دی جائے"؟

رحمۃ للعالمین کا سمندر بھی اپنی انتہائی مد اور چڑھاؤ پر تھا ارشاد ہوا کہ بلی۔ کیوں نہیں

بلی کی آواز میں بلا کی طاقت تھی سننا تھا کہ ابوذر اٹھے اور اس مژدے کے اعلان عام کے لئے چل پڑے کہتے ہیں کہ جا ہی رہا تھا اور اتنی دور پہنچا تھا جہاں تک کسی پتھر پھینکنے والے کا پتھر پہنچ سکتا ہے کہ اتنے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور دربار رسالت میں عرض کرنے لگے۔

انک ان تبعث الی الناس بهذا تنکلوا عن العبادة	اگر لوگوں کے پاس یہ بشارت بھیجیں گے تو عبادت سے روگرداں ہو جائیں گے۔

؎ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ میں اپنی امت کی شفاعت کر رہا تھا اور میری امت مجھ پر گریہ چاہا وہ اس شفاعت کر بار رہے گا یعنی من مات لم یشرک باللہ شفاعت ہے

اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کو آواز دی کہ " واپس ہو جاؤ " وہ واپس ہو گئے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قصہ کو بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ وہ آیت جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر تکرار فرماتے رہے وہ یہ تھی۔

ان تعذبهم فانهم عبادك	اگر آپ انہیں سزا دیں گے تو یہ آپ کے بندے
وان تغفر لهم فانك	ہیں اور اگر بخش دیں گے تو آپ سب پر غالب ہیں
انت العزيز الحكيم	(اور آپ سے پوچھنے والا کوئی نہیں) اور حکمت والے ہیں

اگرچہ قرآن میں یہ آیت حضرت مسیح علیہ السلام کی زبانی ادا کی گئی ہے۔ لیکن مسیح اگر ان خداؤں کے ماننے والوں کے لئے یہ عرض داشت بارگاہ ایزدی میں پیش کر سکتے ہیں تو ظاہر کہ اللہ احد کی پوجنے والی امت کے متعلق رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے پیش کرنے سے کیوں جھجکتے۔

بہرحال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بشارت کی تبلیغ سے روک دیے گئے۔ لیکن خود ان تک تو یہ بشارت پہنچ چکی تھی پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا خود ہی فرماتے ہیں اور غالباً اس واقعہ کے بعد فرماتے ہیں۔

" رمضان کا آخری عشرہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف ہو گئے۔ بائیسویں کی عصر کی نماز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب فارغ ہوئے تو لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہم آج کی رات انشاء اللہ قیام کریں گے پھر تم میں جس کا جی

لے بیہقی مع حدیث ... جلد ... میں ان روایتوں کو دیکھا جا سکتا ہے جن میں بیہقی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضور تمام رات ... کرتے رہے ... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ... آیت کو پڑھتے ...

چاہے وہ میرے ساتھ قیام کر سکتا ہے۔ اور یہ تیئیسویں کی شب تھی
نماز عشاء کے بعد حضور نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی یہاں
تک کہ رات کا ایک تہائی حصہ گزر گیا۔ اس وقت تشریف
لے گئے۔ پھر چوبیسویں کی رات آئی اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے یہ نماز نہیں ادا کی پچیسویں کی نماز عصر کے بعد پھر ارشاد فرمایا
انشاء اللہ میں رات قیام کروں گا۔ تم میں سے جس کا جی چاہے
وہ قیام کر سکتا ہے۔ یہ پچیسویں کی رات تھی۔ تہائی رات گزرنے
یہ نماز جماعت کے ساتھ ادا ہوتی رہی۔ چھبیسویں کی رات آئی تو
آپ نے کچھ نہیں فرمایا لیکن اسی چھبیسویں کی عصر کے بعد پھر فرمایا
کہ آج شب کو بھی انشاء اللہ میں قیام کروں گا۔ یعنی ستائیسویں کی
شب میں۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جس کا جی چاہے وہ قیام
کر سکتا ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی

فجعلنا للقیام | آپ حضور کے ساتھ ہم رات تک قیام کرتے رہا ہے

فرماتے ہیں کہ آج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کی دو تہائی
حصہ تک قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ نماز سے فارغ ہو کر اپنے اس قبہ میں تشریف
لے گئے۔ جو مسجد ہی میں آپ کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ میں نے جا کر عرض کیا۔

کنا لقد طمعنا یا رسول اللہ | یا رسول اللہ ہم لوگوں کی یہ خواہش تھی کہ آپ
ان تقوم بنا حتی تصبح | تمام رات صبح تک ہم لوگوں کے ساتھ قیام فرمائیں

اگرچہ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر
کی یہ تشفی فرما دی۔

یا اباذر انک اذا اصلیت مع امامک وانصرفت اذا انصرفت کتب لک قنوت لیلتک

ابوذر جب تم نے امام کے ساتھ اس نماز عشا کو ادا کر و اور امام کے ساتھ تم بھی نماز سے فراغت حاصل کر و تو تمہارے لئے شب بھر کے قنوت (قیام لیل) کا ثواب لکھا گیا۔

لیکن مجھے تو صرف یہ دکھانا ہے وہ جو عبادت حق کو اپنے وجود کا نصب العین اور قیمت قرار دے کر جبراً نہیں بلکہ شکراً اپنی تمام عاجزانہ اعترافات کے ساتھ مالک کے آگے کھڑے ہوتے ہیں۔ تجربہ شاہد ہے کہ اس قسم کی بشارتوں کا اثر یقیناً ان اثرات سے مختلف ہوتا ہے اور ہونا چاہیے جو ان پر مترتب ہو سکتے ہیں۔ جس کی نارسائوں نے اب تک ان کو اس کے سوچنے کا موقع نہیں دیا کہ جب سب کچھ انسان کے لئے ہے تو آخر انسانی وجود بھی اپنے اندر کوئی مقصد رکھتا ہے یا نہیں۔ اور آہ! کہ رب کو بھلا دینے والوں میں کیا کیجئے کہ ان ہی کی زیادہ کثرت ہے جنھوں نے خود اپنے آپ کو اپنے حافظہ سے باہر کر دیا ہے۔ وہ عالم کی ہر چیز کے متعلق پوچھتے ہیں کہ یہ کس لئے ہے۔ ہوا کس لئے ہے۔ پانی کس لئے ہے۔ برق کس لئے ہے اور اسٹیم کس لئے ہے لیکن افسوس ہے ان پر کہ انھوں نے کبھی اپنے متعلق نہیں پوچھا کہ خود ہم کس لئے ہیں پس اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اگر اس بشارت کی بھنک بھی ان کو مل جائے گی تو وہ عبادت ترک کر بیٹھیں گے۔ یا جس کی تصدیق حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی کہ وہ عبادت سے بیٹھ رہیں گے۔ یقیناً اس کا تعلق ان ہی لوگوں سے ہے جو انسانی ہستی کو سلسلہ موجودات کی ایک سدی اور عبث ترین ہستی سمجھنا چاہتے ہیں۔ ورنہ

آپ نے دیکھا کہ ابو ذر ان بشارتوں کو سنتے بھی جاتے ہیں اور اس کے ساتھ وہی کہتے بھی جاتے ہیں کہ ہماری آرزو تو یہ تھی کہ آج حضور ہم لوگوں کے ساتھ صبح تک قیام فرماتے۔ یہ ہے جذب کی وہ حقیقی قسم جس میں انسان کھنچتا ہے اپنی تمام آرزوں اور خواہشوں سے۔ کھنچتا ہے اور اس طرح کھنچتا ہے کہ بجز مرکز وجود کے اس کے لئے پھر کہیں چین نہیں۔ اور یہی معنے ہیں مجذوب کے کہ سب سے کھنچ کر صرف ایک ہی کے اندر جذب ہو کر وہ رہ گیا۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنھم ورضوا عنہ۔

بہرحال نماز آپ سے کبھی نہیں چھوٹی۔ اور نہ فرائض میں کسی قسم کی بے اعتدالی آپ سے منقول ہے۔ ہاں نوافل میں بھی کبھی جوش و سرمستی قلب حال کے وقت بعض ایسی باتیں آپ سے سرزد ہو جاتی تھیں۔ جہاں جذب کا رنگ آپ کو تمام صحابہ سے ممتاز کر دیتا تھا۔

زید بن مطرف کہتے ہیں کہ ہم ایک قریشی حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک شخص آیا اور نمازیں پڑھنا شروع کیں میں نے جو غور کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ کھڑا ہوا پھر رکوع میں گیا اور سجدہ کر کے کھڑا ہو گیا اسی طرح پھر سجدہ میں گیا اور بغیر قعدہ یعنی بیٹھنے کے پھر کھڑا ہو گیا (غرض وہ صرف رکوع سجدے کر رہا ہے لیکن قعدہ نہیں کرتا (چونکہ ہر دوسری رکعت پر بیٹھنا ضروری ہے) اس لئے زید نے کہا کہ یہ کون شخص ہے اس کو اس کی بھی خبر نہیں کہ جفت رکعتوں پر سلام پھیرنا چاہیئے یا طاق پر۔

لوگوں نے کہا کہ بیچارہ اگر غلط پڑھ رہا ہے تو تم جا کر سمجھا دو۔

زید گئے۔ قریب آئے اور کہا

اے خدا کے بندے! آپ کو اس کی بھی خبر ہے یا نہیں کہ کہاں رہے

سلام پھیرنا چاہیے اور کہاں بیٹھنا چاہیے جفت پر یا طاق پر۔
اس شخص نے کہا۔

"کہ مجھ کو اگر خبر نہیں ہے تو خدا کو خبر ہے اور میں ان باتوں کو نہیں جانتا میں نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے ایک سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تین کام کر دیتے ہیں۔

(۱) ایک گناہ معاف کر دیتے ہیں (۲) ایک نیکی لکھ دیتے ہیں (۳) ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ حساب وکتاب سے ہم واقف نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کی یہ تعریف کی ہے۔ پس ہم سجدے کرتے رہتے ہیں۔ رہا گن کر یہ سمجھنا کہ اب ہم اتنے کے حقدار ہو گئے ہیں اس کی ضرورت نہیں ہے

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن　　　که خواجه خود روش بنده پروری داند

زید کو آپ کی اس قسم کی باتوں سے حیرت ہوئی پوچھنے لگے کہ آپ ہیں کون صاحب؟

حضرت نے فرمایا۔ ابوذر۔

یہ سنا تھا کہ زید کے ہوش اڑ گئے اور اپنی مجلس کے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے

"تم لوگ نہایت برے ساتھی ہو مجھے تم نے اس لئے بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کو تعلیم دوں[1]"

---

[1] مسند احمد ج

الغرض کبھی کبھی نوافل میں حضرت ابوذر سے اس قسم کی بیٹھنا بکلنا ضرور ثابت ہے اگرچہ وہ اصل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ تاہم حضرت ابوذر کا جو حال تھا اس کو پیش نظر رکھنے کے بعد علمائے شرع بھی اس کے متحمل ہو سکتے ہیں اور اگر آج بھی کسی کا وہی حال ہو جائے جو ابوذر کا تھا۔ اور پھر ایسے شخص سے نوافل وغیرہ میں اس قسم کی باتیں سرزد ہوں تو ان پر نکیر نہیں کرنا چاہئے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت ابوذر کی زندگی میں جس نوعیت کے واقعات ملتے ہیں اگر ان کی توجیہ اس بنیاد پر نہ کی جائے جو میرا خیال ہے تو شرعاً پھر اس کی تصحیح کی کوئی صورت ہی نہیں ہو سکتی

جمعہ کی نماز یا خطبہ میں کلام

نہ صرف نماز بلکہ جمعہ کے خطبہ میں بھی کلام کرنا ناجائز ہے اور فقط کلام ہی نہیں بلکہ جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز کے متعلق ایک مشہور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب تم میں کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو تو اس کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ رحمت الٰہی اس کے سامنے ہے پھر کنکری نہ کھیلے"[1]

اسی طرح خطبہ جمعہ کے متعلق بھی حدیثوں میں آیا ہے کہ آدمی کنکریاں بھی نہ کھیلے لیکن سنئے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال سنئے۔ ابتدائے اسلام کا واقعہ نہیں ہے۔ جس وقت نماز وغیرہ میں کلام اور حرکت کی ایک حد تک اجازت تھی بلکہ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ سورہ برأت جو قرآن مجید کی آخری سورتوں میں ہے اور فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے نازل ہونے کی بھی خبر نہیں ہوئی تھی گویا اللہ ہی دنیا کو

---

[1] مسند احمد

اتری تھی۔ بہرحال اسی زمانہ کا یہ عجیب واقعہ ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیہقی نے اپنے متن میں روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ جمعہ کا دن تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت خطبہ پڑھ رہے تھے میں مسجد میں داخل ہوا اور اُبی بن کعب کے پاس بیٹھ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ برات پڑھنی شروع کی (روایت میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ہی میں یہ سورۃ پڑھنی شروع کی یا نماز میں) حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ میں نے اُبی سے پوچھا کہ یہ سورۃ کب نازل ہوئی لیکن وہ خاموش رہے اور کچھ نہ بولے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے ابی سے پوچھا کہ تم نے بھائی مجھے جواب کیوں نہیں دیا۔ اُبی نے اس کے جواب میں کہا۔

ما لک من صلاتک الا ما لغوت	تم کو بھی نماز سے سوا لغو کے کچھ نہ ملا۔

حضرت اُبی کی زبان سے یہ فتویٰ سنتے ہی حضرت ابوذر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے۔

كنت بجنب أبي وانت تقرأ براءة فسألته متى نزلت فتجهمني ولم يكلمني ثم قال ما لك من صلاتك الا ما لغوت۔	میں ابی کے پہلو میں تھا آپ نے سورۃ برات پڑھی، میں نے ابی سے پوچھا کہ یہ سورۃ کب نازل ہوئی تو مجھ سے منہ بنایا اور مجھ سے نہ بولے پھر بولے کہ تم کو بھی نماز سے لغو کے سوا اور کچھ نہ ملا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب سن کر صرف اس قدر فرمایا۔

صدق اُبَی	اُبی نے سچ کہا

سوال یہ ہے کہ حضرت ابوذر جمعہ کی نماز میں اس وقت مسجد میں پہنچے

جب خطبہ شروع ہو چکا ہے حالانکہ تکبیر یعنی سویرے آنے کی جمعہ کی نماز میں سخت تاکید ہے اور عموماً عہد نبوت بلکہ عہد خلافت راشدہ میں بھی تاخیر کرنے والوں سے باز پرس ہوتی تھی۔ اس کے سوا اگرچہ قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت ابوذر کی یہ گفتگو نماز میں ہوئی لیکن حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا۔

مالک من صلاتک الا ما لغوت | تم کو اپنی نماز سے صرف لغو گوئی ملی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لغو گوئی نماز میں واقع ہوئی تھی۔ نیز حضرت ابوذر کا یہ کہنا کہ کنت بجنب ابی (میں اُبی کے پہلو میں تھا) بظاہر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ نماز ہی کا ہے اور نماز کا نہ بھی ہو تو خطبہ میں ہونا تو اس کا قطعی ہے۔ اور کلام کے عدم جواز کا حکم جس طرح نماز میں ہے خطبہ میں بھی ہے خود حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز جمعہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے مالم یلغ (لغو گوئی سے جب تک پرہیز کرتا رہے) کی قید لگاتے تھے۔ مگر باوجود ان تمام باتوں کے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام امور کے مرتکب ہوئے اور بارگاہ نبوت سے اگرچہ حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتویٰ کی توثیق ہوئی لیکن ابوذر کو بھی کچھ سمجھایا گیا۔ کوئی سرزنش کی گئی کچھ پوچھا گیا۔ روایت اس سے ساکت ہے۔ ایسی صورت میں بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ابوذر جس حال میں تھے اس میں ان امور کی گنجائش تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امامت کیلئے پیش قدمی | قطع نظر اس کے کہ شرعاً بھی اس کا حکم ہے کہ کسی دوسرے کی مسجد یا دوسروں کے گھر میں بغیر اس

لہ مسند احمد صفحہ ۱۴۴ ج ۵ - ۱۱

مسجد کے امام اور مالک خانہ کی اجازت کے امامت کے لئے خود پیش قدمی نہ کرنی چاہئے۔ یوں بھی آدمی دوسرے کے گھر میں امامت سے شرماتا ہے خود ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ امامت کرنے کا خواہ مخواہ شوق بھی تھا ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ جب ربذہ جس کا ذکر آئندہ آتا ہے پہنچے وہ ایک معمولی جگہ تھی۔ اونٹوں کا چرانے والا ایک حبشی غلام چند لوگوں کے ساتھ نماز پڑھایا کرتا تھا حسب دستور وہی امامت کے لئے آگے بڑھا لیکن حضرت ابوذر کو دیکھ کر پیچھے ہٹا۔ اور اشارہ کیا کہ آپ آگے بڑھیں لیکن آپ نے فرمایا کما انت۔ جس طرح کھڑے ہو کھڑے رہو یعنی امامت کراؤ۔

ایک اونٹ چرانے والے کے ساتھ آپ کا یہ حال ہے۔ اب عالم وارفتگی کا ایک واقعہ سنئے۔ انصاریوں کے ایک آزاد کردہ غلام ابوسعید نامی نے حضرت ابوذر، عبداللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دعوت کی نماز کا وقت آیا تو مالک خانہ کے بغیر اجازت کے بڑے بڑے صحابیوں کے ہوتے ہوئے حضرت ابوذر خود ہی امامت کے لئے آگے بڑھ گئے۔ حضرت حذیفہ نے ٹوک دیا فرمایا ابوذر پیچھے ہو جاؤ۔ یعنی مالک خانہ کی اجازت کے بغیر تم خود کیسے آگے بڑھ گئے اب ہوش آیا پلٹ کر حضرت ابن مسعود سے پوچھتے ہیں اکذالک ابن مسعود۔ کیا مسئلہ یونہی ہے ابن مسعود۔ انہوں نے فرمایا ہاں۔ سنتے ہی آپ پیچھے ہو گئے (بیہقی صفحہ ۲۵) کیا حضرت ابوذر کے ان حالات کی یہ تاویل نہ کی جائے تو یہ کیا مان لیا جائے وہ بھی اسی زمانے کے ان عالموں میں تھے جن کو خواہ مخواہ امامت کا شوق ہوتا ہے۔

ان قصوں کا ہوش و حواس رکھتے ہوئے اگر کوئی ان باتوں کا ارتکاب کرے گا خواہ نقل ہی کیوں نہ ہو تو یہ یقیناً اجاگر ہے کہ دین کے ساتھ تلاعب

وہم کے مساوات ہے۔

الحاصل ان چند واقعات کے درج کرنے سے میرا مقصود صرف اس قدر ہے کہ حضرت ابوذر کو میں نے جو کچھ سمجھا ہے دیکھنے والے غور کریں کہ آیا اس کا کوئی منشا ہے بھی یا نہیں۔

اور اسی سلسلے میں اپنے دعوی کو زیادہ موثق و وزن دار بنانے کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت بھی اسی کے تحت میں درج کئے دیتا ہوں۔ اس سے آپ کی علمی وسعت و تبحر کا بھی اندازہ کیا سکتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت

کسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ آپ حضرت ابوذر کو کیا خیال فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

وعی علما عجز فیہ | ترجمہ: ایک علم کو محفوظ کیا جس سے وہ عاجز ہو گئے

عموماً علمائے حدیث اس جملے کو نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد خود متحیر ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے

ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ بعضوں کا خیال ہے "کہ جو کچھ ان کے پاس تھا اس کو ظاہر نہ کر سکے"۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ "جس علم کو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے اسے حاصل نہ کر سکے"۔ واللہ اعلم امیر المومنین کرم اللہ وجہہ کا واقعی مقصد کیا ہے۔

لیکن میرے نزدیک تو اس جملہ کا مطلب بالکل کھلا ہوا ہے۔

لہ حافظ ابو عمرو بن عبد البر کو جب عجز فیہ کی کوئی صحیح توجیہ معلوم نہ ہو سکی تو انہوں نے استیعاب میں عجز فیہ کے بجائے عجز عنہ لکھ دیا بالکل ہے کہ شاید راویوں کی وجہ سے یہ اختلاف پیدا ہو گیا ہو ورنہ عام طور سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ استیعاب ص ۲۰۰ مطبوعہ حیدرآباد

اور انشاء اللہ واقعیت سے وہ بہت زیادہ قریب ہے۔ تفصیل اس کی
یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
جو کچھ سیکھتے تھے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سکھاتے تھے عموماً وہ علوم
ایسے ہوتے تھے جن کو براہ راست عمل سے تعلق تھا۔ کیونکہ اعتقادات کے
باب میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اجمال و ایمان بالغیب کے
مضبوط و محفوظ اصول کو پیش نظر رکھا۔ جو کچھ بھی تفصیل کی وہ بعض عملیات
کی کی۔ ماسوا اس کے عام طور پر عقاید کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ وہ صرف
ماننے اور ایمان لانے کی چیزیں ہیں۔ عمل سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے
میرے نزدیک یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ ظاہری اعمال کی پابندی یقیناً ایک
بڑی آزمایش اور شریعت کا اہم مطالبہ ہے لیکن عقاید صحیحہ جن کو ہم علوم
صحیحہ بھی کہہ سکتے ہیں ان کو اپنے اندرونی احساسات یقین و اذعان کے
ساتھ وابستہ کرنا اور ان کے مقابل جو باطل اور کاذب علوم ہیں ان کو مٹانا
جہاں تک تجربہ کا تعلق ہے اعمال جوارح سے یہ زیادہ مشکل ہے۔ بہرحال
عقاید ہوں یا اعمال عمل کی دونوں میں ضرورت ہے۔

حضرت ابوذر میں قبول و اثر پذیری کا مادہ جتنا تیز تھا وہ تم گذشتہ
اور واقعات سے خود بھی اندازہ لگا سکتے ہو۔ یہی وجہ ہوئی تھی کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم سے یہ جو کچھ سنتے تھے ٹھیک اسی طرح اس پر عمل کرنے کے لئے
آمادہ ہو جاتے تھے۔ بلا کسی چون و چرا کے جس طرح آپ سے سنتے کوشش کرتے
کہ اسی طرح ہم اسے ادا بھی کر دیں وہ چاہتے تھے کہ میرا عملی نقشہ علمی نقشہ پر
پورے طور سے منطبق ہو جائے

اس باب میں ان کو اس قدر غلو اور تشدد تھا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی

وقت بھی اگر اس معاملہ میں آڑے آجاتی تو آپ کو اس کی بالکل پرواہ نہ ہوتی تھی۔ واقعاتِ مشورہ نے اصحاب پند و تذکیر مرتے دم تک ان کو اس مرکز ثقل سے ہٹانے نہ دی۔ حتیٰ کہ اپنے اسی امتیاز پر آپ کبھی ناز بھی کرتے فرماتے کہ

"زکر! میں قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سب سے زیادہ قریب رہوں گا کیونکہ میں نے سنا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تم میں سب سے زیادہ قریب قیامت کے دن مجھ سے وہ شخص ہوگا جو دنیا سے اسی حال میں رخصت ہو جس حال میں میں اُسے چھوڑ کر جاؤں اور قسم خدا کی اب تم میں کوئی ایسا نہیں رہا جو اپنی پہلی حالت پر قائم ہو۔ اور اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی چیز نہ لپٹ گئی ہو بجز میرے"[1]

اور یہ دعویٰ ان کا صرف ذاتی نہ تھا، بلکہ سید عالم رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تصدیق کی تھی طبقات میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کون ہے جو مجھ سے اُسی طرح آکر ملے گا جیسا میں اُسے چھوڑ جاؤں گا، حضرت ابوذر نے فرمایا کہ "میں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پکی۔ بات نے اس کے جواب میں فرمایا۔

صدقت ۱ [illegible]

خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی فرمایا کرتے۔

اب دنیا میں کوئی نہیں۔۔۔ جو خدا کی باتوں میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہ ڈرتا ہو۔ سوائے ابوذر کے۔

---

[1] طبقات ابن سعد، مسند احمد ج

اور اخیر میں خود اپنی چھاتی پیٹتے اور فرماتے۔

"وہی کریں جو اپنے نفس کو تشفی نہیں کرتا"[۱]

الغرض تجزیہ کا صاف مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے علم اور معلومات سے مغلوب و عاجز آگئے تھے جو کچھ جانتے تھے اس کے خلاف کرنے پر گویا قادر نہیں رہتے تھے تعجب ہے کہ امیر کرم اللہ وجہہ تو

عجزت | علم پر عاجز آگئے

فرماتے ہیں اور بعض شراح حدیث اسے معجزہ سمجھ کر اپنے خود ساختہ معانی کو اس پر خواہ مخواہ منطبق کرنا چاہتے ہیں اور بعضوں نے تو یہ کیا کہ جب اس لفظ پر ان کا مطلب چسپاں نہ ہوا تو انھوں نے نبی کے لفظ کو عمر سے بدل دیا جس کا میں حاشیہ میں ذکر کر آیا ہوں۔

اور یہ بالکل سچ ہے کہ تعمیل ارشادات نبویہ میں جو نمونہ حضرت ابوذر نے دنیا کے آگے پیش کیا اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے علم سے بالکل مقہور و مغلوب ہو رہے تھے۔

دنیا کی حقارت۔ یہاں کے مال و متاع کی حقیقتوں کے متعلق حضرت ابوذر کو جو کچھ کہا گیا تھا جنہیں مختصر طور پر میں اوپر نقل کر چکا ہوں اس کا مقتضی تھا کہ وہ ایک خشک زاہد صحرائی بن کر زندگی گزار دیتے نہ شادی کرتے نہ بیاہ، نہ آبادیوں میں رہتے نہ اور کچھ سامان کرتے،

لیکن میں کہہ چکا ہوں کہ اسی کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی سکھایا تھا کہ دنیا میں رہ کر زاہد بننے کی کوشش کرو۔ ٹھیک ہے

درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق۔

۱؎ طبقات ۱۲

سکا یا نظارہ خدا کے آگے پیش کرو۔ ان دونوں پہلوؤں کو مساوی طور پر قائم کر کے
دنیا میں رہنا حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ دشوار گزار راستہ اور کوئی نہیں
ہو سکتا۔ ابھی گزر چکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متعلق یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر
احد کا پہاڑ سونا ہو جائے تو اس کی وقعت میرے سامنے اس سے زیادہ نہیں کہ
تین دن میں سب کو لٹا دوں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی جاہ و مال
کی طرف مطلق توجہ کرنے کی ضرورت نہیں اور اسی کے مقابلہ میں حضرت
ابو ذر ہی کے سامنے آپ عکاف صحابی سے پوچھتے ہیں کیا تمہارے پاس بیوی
بھی ہے؟ عکاف نے کہا "جی نہیں۔"

آپ نے فرمایا! کہ اگر بیوی نہیں تو کوئی کنیز و لونڈی (یعنی شرعی حرم) بھی
ہے؟ عکاف نے کہا کہ وہ بھی نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ تم فارغ البال صاحب فراخی نہیں ہو؟ عکاف نے کہا
کہ جی ہیں دنیا کی جانب سے مطمئن اور خوش ہوں (یعنی مالدار ہوں)

آپ نے فرمایا کہ اب تم شیطان کے بھائیوں میں سے ہو۔ اگر تم نصرانی
ہوتے تو ان کے راہبوں میں شمار کئے جاتے۔ نکاح میرے طریقہ میں داخل ہے
تم میں سب سے زیادہ بدتر لوگ ہیں جو مجرد اور کنوارے ہیں۔ سب سے ذلیل
ترین کمینے وہ مرد ہیں جو بحالت تجرد زندگی گزار کر مر جاتے ہیں؟

کیا تم لوگ شیطان کے تختہ مشق بننا چاہتے ہو؟ شیطان کا وہ ہتھیار جو
اچھے لوگوں میں آسانی اثر جاتا ہے صرف عورت ہے۔ ان جنہوں نے شادیاں
کیں وہ لوگ پاک دل والے ہیں۔ سیاہ اعمال سے دور اور کنارہ ہیں۔
عکاف تجھ پر افسوس ہے! یہ عورتیں تھیں جنہوں نے ایوب یوسف داؤد

کرسف کے ساتھ کیا کیا؟ بشر بن عطیہ بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے پوچھا کہ حضور یہ کرسف کون شخص ہے آپ نے فرمایا کہ کسی گزشتہ زمانہ میں اس نام کا ایک عابد تھا جو کسی دریا کے کنارے بیٹھ کر تین سو برس تک عبادت میں مصروف رہا وہ دن بھر روزے رکھتا تھا اور رات بھر نمازیں پڑھتا۔

آخر ایک دن کسی عورت کے عشق میں مبتلا ہوا اور ساری ریاضتوں کو چھوڑ کر اسی کے پیچھے دیوانہ ہوگیا۔ بہرحال اخیر میں اس کی حالت درست ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف پھر متوجہ ہوا اور اللہ تعالیٰ اس کے قصور سے درگزر کی

اس کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عکاف کی طرف پھر متوجہ ہوئے اور سمجھانا شروع کیا۔

"عکاف تجھ پر افسوس! نکاح کر ورنہ تو ہمیشہ مذبذب رہے گا یعنی طمانیت و سکینت تجھے حاصل نہیں ہوسکتی"

عکاف نے اس کے بعد درخواست کی کہ حضور تو آپ ہی میرا عقد جس سے چاہیں کردیں آپ نے فرمایا کہ کریمہ بنت کلثوم حمیری سے میں نے تیرا نکاح کردیا!

اس حدیث سے نکاح کا مسئلہ جس قدر اہم ہو جاتا ہے اسے کون نہیں سمجھتا۔ اور شادی کے بعد دنیاوی الجھنوں کا جو طوفان اُمنڈتا ہے تو اس سے کون واقف نہیں۔

مگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان نبوی علوم نے اسی طرح عاجز و لاچار بنا دیا تھا کہ انھوں نے یہ بھی کیا اور وہ بھی کیا۔ غایت احتیاط کے ساتھ نباہ کر ایک عجیب و غریب قوت عملیہ کا ثبوت انھوں نے پیش فرمایا۔

ہ یعنی عورتوں کی وجہ سے ان لوگوں کو بعض فتنوں میں مبتلا ہونا پڑے جن کی تفصیل کتب تفسیر میں آچکی ہے۔ یہ تعجب نہیں کہ یہ شیطانی صورت میں کسی عالم فاضل کے اجتہاد یا شر کا مرتکب ہوئے ہوں۔ ملاحظہ مسند احمد

آپ کا اپنی بیوی کے ساتھ برتاؤ

مثلاً تم پڑھ چکے کہ آپ میں مجذوبیت بھی تھی وارفتگی بھی تھی۔ استغراق بھی تھا سب کچھ تھا مگر باوجود ان تمام باتوں کے، آپ ہمیشہ ایک عورت اپنے پاس رکھتے تھے کسی معمولی سفر میں بھی جاتے تو عموماً آپ کی بیوی ہمراہ ہوتیں۔ اور اس میں آپ محض مجبور ولاچار تھے آخر عکاف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا تم سمجھ سکتے ہو کہ ابوذر کے دل ودماغ پر اس کا کیا اثر ہوا ہوگا، جس قسم کی تبلیغی جذبات حضرت ابوذر کے سینے میں موجزن تھے حق تو یہ ہے' ان کو دیکھتے ہوئے پھر اس فعل پر کچھ تعجب نہیں ہوتا۔

الغرض ان وجوہ سے تو آپ نکاح کو اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ آپ کا برتاؤ کس قسم کا تھا' قاعدہ ہے کہ جب عورت انسان کے گھر آتی ہے تو خواہ مخواہ آدمی کے مردہ احساسات زندہ ہو جاتے ہیں۔ کسی قسم کا شخص ہو لیکن اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے اچھے کپڑے پہنائے۔ عمدہ زیوروں سے اسے آراستہ کرکے اپنی آنکھیں سینکے' عطر اور پھول سے ہمیشہ اس کے جامہ و بدن کو معطر رکھے۔ یہ کرے وہ کرے۔ الغرض قدرتاً اس قسم کے خیالات اولاً تو خود ہی دماغ میں ابھرتے ہیں۔ پھر نئی نویلی دلہنوں کی فرمائشوں کی بدولت یہ کریلا اور بھی نیم پر چڑھ جاتا ہے۔ اور اس کا آخری انجام اکثر یہی ہوا ہے کہ انسان اس مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے ہر ایک قسم کے وسائل و ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور آہ کہ جس فعل کو وہ کبھی کرنا نہیں چاہتا تھا اس کے کرنے پر نہ صرف آمادہ بلکہ بسا اوقات کر گزرتا ہے۔ ایک گاڑی کا گھر چلتا ہوا جادہ ہے۔ جس کے بعد کم، و بیش نسوانی فتنوں کے ہوشربا

تاثیروں سے نجات پا سکی ہیں۔

مگر حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان عاجزی کو دیکھو! اندازہ کرو کہ نبوی احکام و تعلیموں نے ان کو اپنا کس قدر مقہور و مغلوب بنا رکھا تھا وہ نکاح بھی کرتے ہیں اور جب ان کی بیوی صاحبہ فرمایش کرتی ہیں تو آپ گھر سے نکل کر مجمع عام میں فرماتے ہیں۔

"تم لوگ اس کالی کلوٹی کو دیکھتے ہو۔ مجھ سے کہتی ہے کہ عراق جاؤ اور جب میں وہاں جاؤں گا تو سلطان میری طرف روپے پیسے لیکر جھکیں گے، لیکن ہم کیا کریں۔ ہمارے دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا ہے کہ پل صراط کے قریب ایک راستہ ہے جس پر پاؤں پھسل جاتے ہیں۔ اس پر میں ہلکا پھلکا چلوں۔ یہی ہمارے لئے بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ روپے اور پیسوں کے بوجھ میں لدا ہوا گراں بار ہو کر اسے عبور کروں[1]۔"

صرف اس قدر کہہ کر آپ ان فرمائشوں کو ٹال دیتے: جو کچھ حلال اور پاکیزہ طریقہ سے آپ کے پاس آتا تھا وہی دیدیتے اس کے بعد نہ اس کی نہ کسی کی پروا کرتے نہ اپنی نفسانی خواہشوں سے متاثر ہوتے کہ یہاں نفس باقی ہی کب تھا وہ تو شادی بھی نہ کرتے لیکن ملاقات کی مجلس کی داستان نے آپ کو مجبور و معذور کر دیا تھا۔

آپ کی بیوی صاحبہ کی حالت

یہی وجہ تھی کہ آپ کو اپنی حرم محترمہ کی زیبائش و آرائش کا کبھی خیال بھی پیدا نہ ہوا۔ اور نہ آپ کے نکاح کے لئے صرف عورت شرط تھی اس کے بعد اس سے بالکل بحث

---

[1] طبقات ابن سعد

نہیں ہوتی تھی کہ وہ کیسی ہو کس رنگ کی ہو وغیرہ وغیرہ۔

مورخین جہاں آپ کی بیوی کا حال لکھتے ہیں تو اُن کی توصیف ہمیشہ ان لفظوں میں کیجاتی ہے۔

نعمۃ امرأۃ سعماء | حضرت ابوذر کے ساتھ ایک کالی عورت رہتی تھی

عبداللہ بن خراش کعبیؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن آپ سے کہا بھی کہ آپ نے یہ کیا کالی کلوٹی عورت سے نکاح کیا ہے تو فرمانے لگے کہ بھائی جس بیوی کی وجہ سے لوگ مجھے ذلیل خیال کریں اسے میں ایسی عورت سے بہتر سمجھتا ہوں جس کی وجہ سے لوگوں میں میری خاص وقعت ہو۔ کہ یہ وہ شخص ہے جس کی بیوی نہایت پری پیکر اور عالی خاندان ہے

ان کی زیب و زینت اور نہ صرف اس قدر کہ وہ امرأۃ سعماء تھیں بلکہ مورخین کا بیان ہے کہ آپ کو ان کی زینت و زیبایش بناؤ سنگار سے بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ صرف نکاح کر لیا تھا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی۔

ام اسماء رحبی کہتے ہیں کہ میں نے آپ کی بیوی کو ایک دفعہ دیکھا تھا: ان کے کپڑے خوشبو میں بسے ہوئے تھے اور نہ اُن کے بدن پر اور کسی قسم کی زیب و زینت کا نشان تھا[۱]

زیور میں نے بہت تلاش کیا لیکن غایت جستجو کے بعد طبقات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بیوی صاحبہ کے کان میں بالیاں پڑی ہوئی تھیں[۲]۔ اس کے علاوہ کسی زیور کا پتہ نہیں چلتا۔ پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ بالیاں سونے کی تھیں یا چاندی کی۔ یا کسی اور دھات کی۔

---

[۱] طبقات ۱۲ [۲] طبقات ابن سعد ۱۲

اغرض نبوت سے جو علم ان کو ملا تھا اس سے آپ کی بڑی عاجزیاں تھیں جن کی طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اشارہ فرمایا۔ اللہ اکبر زہد کا تقاضا ہے کہ شادی بھی نہ ہو گھر بھی نہ ہو در بھی نہ ہو کچھ بھی نہ ہو۔ اور شادی کا تقاضا ہے کہ دنیا کے تمام ساز و سامان ہوں یہ بھی ہو وہ بھی ہو۔
ابوذر ہی کا کلیجہ تھا کہ ان چٹانوں کو سینے پر رکھا اور بغیر کسی تشویش کے دونوں کو جمع کر کے دکھا دیا۔ ع

بر لب کوثر بداغ تشنگی خو می کنم

کا ایک حیرت انگیز نظارہ حضرت ابوذر کی زندگی میں نظر آتا ہے۔

آپ کا گھر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راہبانہ صحرا نوردیوں سے روکا بھی تھا۔ اور اس دنیا کو ایک گزرگاہ اور راستے سے تشبیہ دے کر اپنے آپ کو ایک مسافر بھی قرار دیتے تھے۔ فرمایا کرتے کہ میری مثال دنیا میں اس مسافر کی مانند ہے جو کسی چھاؤں کے نیچے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں ارشادوں میں عملی تطبیق اس طرح دی تھی کہ آپ جب تک مدینہ منورہ میں رہے زیادہ تر ادھر ادھر پڑے رہتے۔ کبھی مسجد میں کبھی صفہ میں سو جاتے اور اس کے بعد آپ جہاں کہیں رہے کسی کے خیمہ میں رہے۔ شام کے مشہور شہر دمشق میں بھی جب آپ رہے پشمینہ صوف کے جھونپڑے ہی میں رہے[1]۔ اپنے بال بچوں کے ساتھ اسی قسم کے خیموں میں اپنی زندگی گذار دی۔ حتیٰ کہ جس مکان میں آپ نے اپنی آخری سانس پوری کی اس وقت بھی دیکھنے والوں نے یہی دیکھا کہ صوف کے معمولی خیمہ

---

[1] مبرہ ۵۱ ص ۵ جمیو ۲

حضرت ابوذر کی لاش پڑی ہوئی تھی۔[ا] پس اگرچہ وہ پہاڑ کی کھوہ میں نہیں گئے لیکن شہروں کے وسط میں ہی آپ نے کھوہ بنا لیا تھا اور یوں ع

دیدہ ور تا شد ہیں لب تشنہ آب اندر

کے خیالی تصوف کی واقعی تصویر اپنی پوری زندگی سے کھینچ کر انہوں نے دکھادی تھی

روپے پیسے کے متعلق آپ کی تدبیر

میں لکھ چکا ہوں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "کہ اے ابوذر! جس سونے اور چاندی پر گرہ لگائی گئی وہ اس کے مالک کے لئے انگارے ہیں" ادھر تو یہ ارشاد فرمایا جاتا تھا، دوسری طرف حکم تھا "بہترین کاموں میں یہ ہے کہ لوگوں کو کثرت سے سلام کیا کرو۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرو اور رات کو نمازیں اس وقت پڑھو جس وقت دنیا کے لوگ سو چکے ہوں" ظاہر ہے کہ مہمان نوازی کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ انسان کے پاس کچھ پس انداختہ ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں فرمانوں میں اس طرح تطبیق دی تھی کہ آپ کا سالانہ وظیفہ جس وقت بیت المال سے عطا کیا جاتا اور اپنی زندگی کو ساتھ لے کر سال بھر کا سامان خرید لیتے۔ اس کے بعد بانٹتے۔ پھر جو کچھ بچ جاتا اس کے پیسے بنالیتے لوگ پوچھتے کہ تمام روپوں کے پیسے بنانے کی کیا ضرورت تھی آپ فرماتے کہ چاندی اور سونے کے رکھنے کی مجھے اجازت نہیں اس لئے میں اسے پیسے بنا لیتا ہوں تاکہ میں ان لوگوں میں نہ رہوں جن کے لئے حضور نے دھمکیاں ارشاد فرمائی ہیں۔

الغرض آپ اپنی صلوات سے محض مغلوب و مقہور رہتے تھے جو کچھ

[ا] طبقات — ۱۱

سنا تھا وہ آپ کو مجبور کر کے اس پر عمل پیرا بناتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ علی
حکومت فرمائیاں اس طرح اور کسی پر شاید ہوئی ہوں گی۔ امیر کرم اللہ وجہہ
نے سچ فرمایا۔ بلا شبہ یہی بھید تھا جس نے آپ کو مجذوب اور بہلول بنا دیا تھا

میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام مباحث پر جو اس وقت تک پیش ہو چکے ہیں
غور کرنے کے بعد حضرت مرتضیٰ علیہ السلام کے قول "مجز فیہ" کا مطلب بالکل
واضح ہو جاتا ہے۔ اور میرا یہ دعویٰ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی آپ کی
مجذوبیت کی شہادت دی ہے اس سے مراد یہی تھی۔

آخیر میں ہم ان چند خصوصیتوں کو بھی درج کرتے ہیں جو طائفہ مجذوبیہ کے
ساتھ مخصوص ہے اور شیوہ جذب و سرمستی کے ساز و سامان میں شمار کیا جاتا ہے۔

ظرافت

اس وقت تک حضرت ابو ذر کے جتنے حالات تحریر کیے
اس سے گمان ہوتا ہے کہ آپ کے مزاج میں خوش طبعی اور ظرافت کا
مادہ موجود نہ تھا۔ حالانکہ مجذوبوں کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ گو بظاہر وہ ہمیشہ ترش رو
چیں بجبیں نظر آتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ دنیا نے ان ہی مجذوبوں کے ان
قہقہوں کو بھی ہمیشہ سنا ہے جس کا سلسلہ اگر شروع ہوا تو پھر کبھی نہیں رکا۔ اور
ان کی سادگی میں کجی کو اور کجی میں سادگی کو سموتے ہوئے تو کسی نے نہیں دیکھا
غصہ میں مسکراہٹ اور مسکراہٹ میں غصہ اس طبقہ کا خصوصی شیوہ ہے۔

بہرحال حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی کبھی یہ حالت طاری
ہو جاتی تھی۔ ایک دن آپ کسی مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمانے لگے۔

"کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے
دن ایک شخص پیش ہوگا۔ فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ پہلے اس پر
اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو پیش کرو۔ فرشتے اس کے آگے

اس کے چھوٹے گناہوں کی فہرست اس طرح پیش کریں گے کہ تم نے
فلاں دن یہ کیا۔ فلاں دن یہ کیا۔ وہ بیچارہ اس کا اقرار کرتا جائے گا
اور دل میں ڈرے گا کہ دیکھئے جب کبائر کی فہرست پیش کی جائے گی
تو کیا ہوگا۔ فرشتے جب صغائر پوچھ کر فارغ ہو جائیں گے تو آواز
آئے گی کہ اس کو ہر ہر گناہ کے بدلے ایک ایک نیکی دیتے چلے
جاؤ اس رعایت فرمان کے سنتے ہی وہ شخص چلانے لگے گا شور
کرے گا کہ فرشتو! ٹھیرو! ابھی ہمارے پاس اور بھی بڑے بڑے
گناہ ہیں ان کو بھی گن لو میں اس فہرست میں انہیں نہیں دیکھتا۔
یعنی ان کے عوض میں بھی مجھے نیکیاں ملنی چاہئیں)

حضرت ابو ذر اس نقطہ پر آ کر ٹھہر جاتے اور فرماتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب اس حدیث کو بیان کرتے تو اس قدر ہنسا کرتے کہ آپ کی ڈاڑھیں کھل جاتیں[1] اس کے بعد حضرت ابو ذر کس قدر ہنسا کرتے اس کا اندازہ تم خود ہی لگا سکتے ہو خصوصاً جب انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ حدیث بیان کرتے وقت حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عام عادت یہ بھی تھی کہ قول کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو بھی کرکے دکھاتے جو حدیث بیان کرتے ہوئے آپ کرتے

بدبخت عبد اللہ بن زیاد جسے مسلمان ابن زیاد کے نام سے جانتے ہیں جب کوفہ کا میر ہوا تو اپنے پیش رو گورنروں کے خلاف جماعت کی نماز میں تاخیر کرنے لگا حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے عبد اللہ بن صامت نے دریافت کیا کہ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے۔ کیا ہم لوگ بھی اپنی نمازوں کو مکروہ اوقات تک مؤخر کریں۔ عبد اللہ بن صامت فرماتے ہیں یہ سنتے ہی حضرت ابو ذر نے میرے زانو پر

---

[1] صحاح میں ترمذی دیکھئے اور مسند احمد ۱۰

ہاتھ مارا اور فرمایا مجھے سنو! میں نے اپنے خلیل (دوست) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تھا کہ ایسی صورت میں کیا کروں گا آنحضرت نے میرے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا۔

صلّ الصلوٰة لوقتها فان ادركت فصل معهم ولا تقل انی صليت فلا اصلی معهم (مسند احمد)	تم اپنی نماز وقت پر ادا کیا کرو۔ اب اگر ان کے ساتھ بھی نماز کا موقع مل جائے تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرو۔ یہ نہ کہو کہ میں تو نماز پڑھ چکا ہوں ان کے ساتھ نہ پڑھوں گا۔

ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ حضرت ابوذر کعبہ کی زنجیر پکڑے ہوئے فرما رہے ہیں۔

جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے۔ اور جو نہیں جانتے ان کو اب جاننا چاہیے کہ میں جندب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہوں پھر فرمایا کہ جس طرح میں کعبہ کی زنجیر پکڑے ہوئے ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کعبہ کی زنجیر کو پکڑے ہوئے یہ فرما رہے تھے بحدیث (بیہقی)

دوسری ظرافت

نعیم بن قعنب الریاحی کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا مگر ڈھونڈھا تو معلوم ہوا کہ آپ یہاں تشریف نہیں رکھتے ہیں۔ آپ کی بیوی صاحبہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے فرمایا۔

• سامنے ان کی کچھ زمینیں ہیں وہیں ہوں گے۔

جب میں ادھر چلا تو دیکھتا ہوں کہ آپ کے آگے آگے دو اونٹ ہیں جن کے گلے میں مشکیں پڑی ہوئی ہیں۔ آپ انھیں پیچھے سے ہنکاتے ہوئے

چلے آرہے ہیں۔ میں آگے بڑھ کر آپ سے ملا۔ اور ساتھ ساتھ مکان پر آیا۔
آپ نے مشکیں اتاریں۔ اس کے بعد مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو۔
میں نے کہا کہ آپ سے ملنے کی مجھے تمنا بھی تھی اور آپ کی ملاقات سے مجھے
نفرت بھی تھی۔ حضرت ابوذر نے فرمایا! یہ دونوں باتیں کیونکر ساتھ جمع
ہو سکتی ہیں۔

نعیم نے کہا کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کیا ہے۔ اب مجھے
اس کی فکر ہے کہ میرا گناہ معاف ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر ہو سکتا ہے تو اس کی
کیا صورت ہے۔ اس کا کفارہ بھی ہے یا نہیں۔

پس جب دل میں یہ خیال آتا تھا کہ آپ ہی میرے لئے کوئی راستہ
پیدا کریں گے اس وقت ورود ہوتا تھا کہ آپ سے مل ہی لوں۔ پھر کبھی خطرہ
ہوتا تھا کہ کہیں آپ نے مجھے مایوس الصلاح قرار دیا تو یہ عمر بھر کا ایک غم
میرے ساتھ لگ جائے گا اور اس کے بعد مجھے آپ سے نفرت پیدا
ہو جاتی تھی۔

حضرت ابوذر نے اس کے بعد فرمایا کہ یہ حرکت تم نے کفر کے زمانہ
میں کی ہے یا اسلام میں۔ نعیم نے کہا کہ ایام کفر میں۔ حضرت ابوذر نے فرمایا!
تو پھر کیا پروا ہے (یعنی اسلام خود ہی تمام گناہوں کا کفارہ اور کفر کے زمانہ
کی ہر قسم کے گناہوں کو دھو دینے والا ہے)

نعیم سے یہ فرمانے کے بعد آپ اپنی بیوی کی طرف مخاطب ہوئے اور
کچھ سر سے اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ مہمان کے لئے کچھ کھانا لاؤ۔ بیوی صاحبہ

ملہ اس قسم کی مشکیں، گلیشیں، جو بند ہونے کی جانب سے عام اور پر، ان میں پیدا ہوتی ہیں، [illegible]
وزنی ہیں ہر شخص اٹھا لی جاتی ہے جو دونوں خیال رکھتا ہے [illegible]

یہ سنتے ہی برس پڑیں یعنی ایک تو کماتے کماتے نہیں اور اس پر مہمان نوازی کا شوق۔

آپ نے پھر بھی نہایت نرمی سے کہا کہ بیچارے کے لئے کچھ لاؤ۔ لیکن وہ تھیں کہ بگڑ رہی تھیں حتیٰ کہ آپ نے تیسری بار کچھ زور دے کر فرمایا کہ لاتی بھی ہو یا نہیں لیکن وہ کب سننے والی تھیں۔ اس طرح الجھ پڑیں اور الجھتی رہیں کہ آخر میں آپ نے گویا ہنس کر فرمایا کہ

"اری کس قدر بورگی۔ تم کہیں اس سے بھی آگے نکل سکتی ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کی شان میں ارشاد فرما چکے ہیں۔"

نعیم تو وہیں کھڑے تھے، بولے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے بارے میں کیا فرمایا ہے آپ نے فرمایا۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ عورتیں ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں اگر انہیں سیدھی کرنا چاہو گے تو یہ ٹوٹ جائیں گی اور اگر یوں ہی چھوڑ دو گے تو کجی باقی رہے گی لیکن کچھ کام بھی چلتا رہے گا۔"[۱]

یہ سن کر وہ اندر تشریف لے گئیں اور خشک ثرید کے کچھ ٹکڑے لے آئیں آپ نے نعیم کو کہا کہ "بس تو شروع کیجئے اور اس کا خوف نہ کیجئے کہ میں کیوں شریک نہیں ہوا۔ کیوں کہ میں روزہ دار ہوں۔"

یہ کہہ کر نماز کی نیت باندھ لی۔ نعیم کہتے ہیں کہ میں کھاتا جاتا اور دیکھتا جاتا کہ نماز میں کسی چیز کا انتظار کر رہے ہیں حتیٰ کہ جب انھوں نے اندازہ کر لیا کہ

۱؎ مسند احمد۔

اب مجھے سیری ہو گئی ہوگی۔ فوراً سلام پھیر کر بیٹھ گئے اور ہاتھ بڑھا کر کھانا شروع کیا مجھے ان کی اس حرکت پر سخت حیرت ہوئی اور بے ساختہ زبان پر انا للہ و انا الیہ راجعون جاری ہو گیا۔

حضرت ابوذر نے جب مجھے اس حال میں دیکھا تو ہنسنے لگے اور فرمایا کہ تم کو کیا ہوا میں نے کہا کہ اگر میں انسانوں میں کسی کو جھوٹ بولنے والا خیال بھی کرتا تو کم از کم تم کو تو ان لوگوں سے میں مستثنیٰ سمجھتا تھا؟

حضرت ابوذر نے فرمایا۔ تیرے ماں باپ خدا پر قربان ہوں۔ جب سے تم آئے اور اسوقت سے اس وقت تک تمہارے سامنے میں کیا جھوٹ بولا۔

میں نے کہا خوب! ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ میں روزہ دار ہوں

حضرت ابوذر نے کہا کہ ہاں! بعد اس کھانے کے بھی روزہ دار ہوں اور رہوں گا۔ کیونکہ اس مہینہ کے تین دنوں ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ میں روزے رکھ چکا ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ان تین دنوں میں روزہ رکھا اس نے گویا مہینے بھر کا روزہ رکھا (یعنی ہر روزہ کے بدلے دس روزہ کا ثواب ملا اور اسی طرح تین روزوں کے عوض میں ۳۰ روزوں کا ثواب حاصل ہوگا) پس آج میرا روزہ بھی ہے اور اس کا اجر بھی ہے اور تمہارے ساتھ کھا بھی رہا ہوں۔[1]

حضرت ابوذر جب شروع شروع مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں کی آب و ہوا کچھ ان کے لئے سازگار نہ ہوئی۔ بیمار پڑ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغرض علاج اور تبدیل آب و ہوا ان کو حکم دیا کہ بیت المال کی مویشیاں اور اونٹ

---

[1] مسند احمد ۱۱۔

اور بکریاں) جہاں چرتی ہیں وہیں جاکر چند سے قیام کرو یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ صرف اونٹنیوں اور بکریوں کے دودھ پر رہیں بعض روایتوں میں ہے کہ علاجاً ان جانوروں کے پیشاب کے استعمال کی بھی اجازت ہوئی تھی (محدثین کا خیال ہے کہ یہ استسقاء کا علاج ہے ممکن ہے کہ حضرت ابوذر پر استسقاء کی علامتیں ظاہر ہوئی ہوں) بہرحال حضرت ابوذر اسی صحرائی علاقہ کی طرف روانہ ہوئے چوں کہ بیار تھے اس لئے بیوی کو بھی ساتھ لیا۔ یہ ایسا علاقہ تھا جہاں پانی کا نام بھی نہ تھا۔ مجبوراً حضرت ابوذر کو دودھ ہی پر گزر کرنا پڑا اچھی آب وہوا، پرہیز کثرت نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد آپ کی حالت بدل گئی یہ شباب کا زمانہ تھا۔ بیوی ساتھ تھیں۔ یہ سوچے بغیر کہ آخر اس وادی میں پانی ملے گا یا نہیں۔ غسل کی کیا صورت ہوگی۔ اپنے اوپر غسل واجب کرلیا۔ اب ہوش آیا تو پانی کا میلوں پتہ نہیں۔ غسل کے بدلے میں بھی تیمم کیا جاسکتا ہے یا نہیں حضرت ابوذر کو اس وقت اس کا بھی علم نہ تھا۔ نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوا کچھ سمجھ میں نہ آیا بجز اس کے کہ ان اونٹوں میں ایک تیز رفتار اونٹ کی پیٹھ پر لدے اور جتنی تیزی سے بھگا سکتے تھے افتاں خیزاں مدینہ پہنچے، خود فرماتے ہیں ٹھیک نصف النہار کے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ دیکھا کہ آپ مسجد کے سایہ میں صحابہ کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ حضور نے سر مبارک اوپر کی طرف اٹھایا مجھے دیکھ کر بے ساختہ آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے۔

سبحان اللہ ابوذر | خدا کی شان ابوذر

سلہ حلیۃ الاولیاء ابونعیم۔

میں نے وہیں کہا کہ ہاں یا رسول اللہ ابوذر ہی ہے۔ پھر سارا قصہ بیان کیا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ کہاں تو بیماری اور ایسی سخت بیماری کہ بعض روایتوں کے اعتبار سے آپ کو اونٹ کے پیشاب تک کے پینے کی نوبت آئی۔ لیکن ادھر طبیعت صاف ہوئی اور غسل واجب کر لیا۔ ان کے اس بے تکلفانہ طرز عمل کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بیساختہ ہنسی آگئی پھر آپ نے آواز دی۔ ایک لونڈی برتن میں پانی لے کر بھرا آئی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی وقت اسی اونٹ کے اوٹ میں کھڑے ہو کر اس جنابت سے میں نے نجات حاصل کی۔ اور اب حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ ابوذر پاک مٹی سے وضو کا کام اس وقت تک کیا جا سکتا ہے۔ جب تک کہ پانی میسر نہ آئے۔ خواہ پانی دس سال ہی تک کیوں نہ ملے۔

ظرافت ہی کے سلسلہ میں غالباً آپ کی ان عادتوں کو بھی شمار کیا جا سکتا ہے کہ جب آپ سے کوئی پوچھتا کہ کیا آپ ہی ابوذر ہیں تو فرماتے کہ "ہاں! میری بیوی کا یہی خیال ہے" آپ کی صاحبزادی کبھی آپ کے ساتھ ہوتیں لوگ پوچھتے کہ کیا یہ آپ کی صاحبزادی ہیں اس وقت بھی یہی فرماتے کہ "ہاں! اس کی ماں یہی کہتی ہے"[1]

ایام بیض کے روزوں کو ہمیشہ بھر کا روزہ قرار دینا اس قاعدہ سے ایک دفعہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی نفع اٹھایا! بیہقی میں ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ عبداللہ بن شقیق عقیلی حضرت عمرؓ سے ملنے آئے۔ ابھی باہر ہی تھے کہ عبداللہ نے آپ کے چہرہ کی حالت دیکھ کر

---

[1] یہ ساری روایتیں مسند احمد میں ہیں۔

کہا کیا آپ روزے سے ہیں. بولے ہاں. اتنے میں اندر جلدی ہوئی۔ دیکھتے ہیں کہ ایک بڑے پیالہ میں کھانے کی کچھ چیز رکھی ہوئی ہے حضرت عمر نے کھانے کا اشارہ کیا. عبداللہ کے ساتھ حضرت ابوذر بھی پیالہ میں شریک ہوگئے. عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے انگلیوں سے اشارہ کیا اور یاد دلایا کہ آپ تو روزے سے ہیں. جواب میں حضرت ابو ذر[?] نے فرمایا مجھے اپنا روزہ یاد ہے. بھولا نہیں ہوں. میں نے تم سے کیا کہا تھا. یہی کہ میں روزہ دار ہوں. میں ہر مہینے کی تین تاریخوں میں چونکہ روزے رکھتا ہوں اس لئے ہمیشہ صائم کا رہتا ہوں ؎

اس قسم کی اور بھی ظرافتیں آپ سے منقول ہیں مدعا کے ثبوت کے لئے اتنی بھی کافی ہیں۔

لوگوں پر مجذوبانہ انداز کے ساتھ بگڑنا

اس طائفہ کے ساتھ اور باتیں بھی مخصوص ہیں مثلاً جو آدمی ان کے پاس جائے گا. اس پر پہلے بگڑیں گے اسے جھڑکیں گے، اگر زیادہ مغلوب الحال ہوجائے تو سنا ہے کہ گالیاں بھی دیتے ہیں۔

بہرحال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذب چونکہ جذب کامل تھا اس لئے ہذیان و خرافات تو آپ کی زبان مبارک سے نہیں نکلتے تھے لیکن بگڑنے جھڑکنے کی عادت آپ میں بھی کم و بیش پائی جاتی تھی.

عوام کو عوام بڑے بڑے جلیل القدر صحابی آپ سے ملنے آتے تو ان کو جھڑکتے ان سے بھاگتے، اپنے سامنے سے اٹھا دینے کی کوشش کرتے. لیکن چونکہ اس طائفہ کی ان تمام باتوں کو لوگ ان کی مغلوب الحالی پر محمول کرتے ہیں اور انکی

؎ سنن بیہقی

یہ طریقہ دنیا میں موجود ہے۔ اس لئے کسی کو آپ کی باتیں بُری نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ آپ جس قدر بیزاری ظاہر کرتے صحابہ اسی قدر آپ سے چپکتے۔ آپ انہیں بھگاتے لیکن قدر شناسان حقیقت ابوذری اور بھی آپ سے قریب ہو گئے۔

ایک دن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن (جہاں کے آپ صوبہ دار اور ناظم تھے) سے واپس آئے تو حضرت ابوذرؓ سے بھی ملنے کے لئے تشریف لائے۔ حضرت ابوذرؓ کھڑے ہوئے تھے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ پیچھے سے آکر آپ کی کمر میں لپٹ گئے۔

حضرت ابوذر آپ کو دیکھتے ہی بگڑنے لگے وہ کمر سے لپٹے ہوئے ہیں اور کہتے جاتے ہیں۔

مرحبا باخی — میرے بھائی مرحبا

مگر آپ کی یہ کیفیت ہے کہ

الیک عنی الیک عنی — ہم سے دور رہو۔ ہم سے دور رہو

فرما رہے ہیں۔

ابوموسیٰ اشعری ایک دُبلے پتلے آدمی تھے اور آپ بھاری بھرکم بدن کے تھے وہ چپٹے ہوئے ہیں اور حضرت ابوذر جھٹکے دے دے کر چاہتے ہیں کہ کسی طرح ان سے چھوٹ جاؤں۔ دیر تک کشاکش ہوتی رہی۔

"دور رہو دور رہو ہم تم سے ملنا نہیں چاہتے"

آپ کی زبان پر جاری ہے۔ حضرت ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ "دور کیوں رہوں گا۔ تم میرے بھائی ہو"

آپ اس کا جواب دیتے کہ "نہیں اب تم میرے بھائی نہیں رہے۔

تم سے برادری اسی وقت تک تھی. جب تک کہ تم کسی صوبہ کے عامل اور ناظم مقرر نہیں ہوئے تھے"

الغرض دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا. اور خدا جانے آخر میں ان دونوں نے کیا فیصلہ کیا. انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر میں پھر راضی ہو گئے. آپ کی یہ عادت تھی کہ بگڑنے اور خفا ہونے کے بعد پھر نرم بھی پڑ جاتے. کیونکہ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ (جو بحرین کے ناظم اور صوبہ دار تھے) جب وہاں سے آئے تو آپ سے ملنے گئے اور اسی طرح گرمیں لپٹ گئے حسب دستور ان کو بھی آپ نے

الیک عنی | مجھ سے الگ [illegible]

کہنا شروع کیا. ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ.

مرحبا باخی | بھائی مرحبا

فرماتے جاتے تھے اور آپ ان کی انگلیاں پکڑ کر چاہتے تھے کہ نکل بھاگوں مگر وہ بھی زبردست تھے. کب چھوڑتے آخر تھک کر آپ نے پوچھا کہ تم ان لوگوں (یعنی خلفائے وقت) کی طرف سے کسی صوبے کے عامل مقرر ہوئے یا نہیں. حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ ہاں! میں نے صوبہ داری قبول کی آپ نے پوچھا تو صوبہ داری کے زمانہ میں کوئی اونچی کوٹھی بھی تم نے بنوائی. کوئی بڑی زمینداری بھی حاصل کی. اونٹوں اور بکریوں کے ریوڑ کے تم مالک بھی ہوئے؟

حضرت ابو ہریرہ نے کہا نہیں میں نے ان چیزوں میں سے کوئی چیز حاصل نہیں کی. یہ سن کر خوش ہو گئے اور پھر خود گلے لگا کر فرمانے لگے ہاں! تو تم میرے بھائی ہو، تم میرے بھائی ہو[1]

[1] طبقات ابن سعد [illegible]

الغرض حمزؓ اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ناز کرتے اور صحابہؓ بھی آپ کی نازبرداریوں میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ آپ ہر شخص کو ڈانٹ دیتے تھے ذرا سی بھی غلطی ہوتی تو ٹوک دیتے نہ کسی سے ڈرتے تھے اور نہ کسی سے دبتے تھے سب کو اپنا ہمعصر ہم جماعت سمجھتے تھے۔ بہرحال اس سلسلہ میں بھی واقعات بہت ہیں لیکن یہاں ہم ڈانٹ ڈپٹ غیظ و غضب حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا شمار جلیل القدر صحابیوں میں ہے ایک دفعہ حضرت ابوذر ان کے سامنے گزر رہے تھے اور وہ اپنے ایک مکان کی تعمیر کرا رہے تھے۔ حضرت ابوذر نے فرمایا "آخر تم نے بھی پتھر کی چٹانیں لوگوں کے کندھوں پر لدوائیں"۔ حضرت ابودرداء بولے کہ بھائی میں تو ایک مکان بنوا رہا ہوں مگر حضرت ابوذر فقرہ بالا ہی کو دہراتے رہے۔ آخر میں حضرت ابودرداء نے کہا شاید آپ کو میرا یہ مکان بنانا ناگوار ہوا۔ حضرت ابوذر بولے "ابودرداء کاش! میں تمہارے سامنے سے گزرتا اور تم کو اپنے گھر کی غلاظتوں (گھورے) پر پاتا۔ یہ اس سے زیادہ پسندیدہ تھا جس حال میں تم کو اس وقت پا رہا ہوں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے ایک دن ملاقات ہوئی۔ ان کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی جس کے قبضہ پر چاندی چڑھی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر بولے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جس نے پیلے یا سفید (دینار و درہم) کو چھوڑا ان ہی سے قیامت میں وہ داغا جائے گا۔ حضرت ابوہریرہ مطلب سمجھ گئے اسی وقت تلوار کو ہاتھ سے پھینک دی (یعنی) مطلقاً انہوں نے دیکھا کہ بجائے جھگڑنے کے حضرت ابوہریرہ نے تلوار ہی پھینک دی اور جانتے ہو ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن پر آپ اس قدر بگڑے ان کا کیا حال تھا۔ استیعاب میں ہے کہ

جب حضرت ابو درداءؓ کو یہ خبر ہوئی کہ ابوذر ربذہ چلے گئے تو فرماتے تھے اگر ابوذر میرے جسم کی بوٹی بھی اڑا دیتے تو میں ان کو ملامت نہیں کر سکتا تھا۔ اسی ڈانٹ ڈپٹ کے سلسلہ میں آئندہ اس واقعہ کا بھی ذکر آئے گا کہ کعب احبار جو یہودی سے مسلمان ہوئے تھے تابعین میں شمار تھا حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ میں بر سر دربار ایک خاص مسئلہ میں جس کا تذکرہ آگے آتا ہے حضرت ابوذر نے ان کو سخت سست بھی سنایا اور ڈنڈا بھی رسید کیا کہتے ہیں کہ بے چارے کا سر کھل گیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادب

البتہ حضرت ابوذر جیسے تقویٰ و زہد و علم و معرفت کے آگے اگر جھکتے تھے تو وہ صرف ایک وحید ذات حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر آتی ہے۔

بلکہ میں جب ان عظمتوں اور توقیروں کے واقعات پڑھتا ہوں جو آپ حضرت عمرؓ کی کیا کرتے تھے تو پھر آپ کی مجذوبیت تک میں مجھے کچھ شبہ سا ہو جاتا ہے۔ لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ شاید جذب کی شانوں میں ایک شان ان کی یہ بھی تھی، کہنے والوں نے جو کہا ہے کہ یہ وہ گروہ اللہ والوں کا ہے جو کبھی تو عالم اعلیٰ کی خبر لاتا ہے اور کبھی اپنے پشت پا کی بھی اسے خبر نہیں ہوتی

مسند احمد میں ایک یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے سے ایک شخص گزرا جس کا نام غضیف بن حارث تھا اگرچہ وہ صحابی نہ تھے لیکن رشد و صلاح کے زیور سے آراستہ اور سینے میں پاک دل رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔

نعم العبد غضیف[1] | غضیف کیا اچھا بندہ ہے

حضرت ابوذر وہیں کہیں کھڑے تھے، جب غضیف آگے روانہ ہوئے تو آپ بھی ان کے پیچھے ہو لئے۔ اور سامنے آکر نہایت لجاجت اور غایت عاجزی سے فرمانے لگے۔

"بھائی میرے لئے دعا کرو خداوند تعالیٰ کے دربار میں میرے لئے بخشش کی سفارش کرو کہ وہ میرے گناہ معاف فرما دے"

غضیف حضرت ابوذر کو اس حال میں دیکھ کر گھبرا گئے اور متعجبانہ لہجہ میں فرمانے لگے۔

"حضرت یہ آپ کیا فرماتے ہیں آپ صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ احق ہیں کہ میرے لئے استغفار کریں نہ کہ میں"

حضرت ابوذر نے اس کے بعد جو کچھ فرمایا تھا وہ ان تمام اندرونی جذبات کو بے نقاب کر دیتا ہے جو آپ کے دل میں حضرت عمر کی جانب سے موجزن تھے آپ نے کہا۔

"کہ میں نے عمر بن الخطاب کی زبان سے ابھی سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا نعم العبد غضیف (غضیف بہت اچھا بندہ ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سچائی اور راستی عمر کی زبان پر چسپاں کر دی گئی ہے"

---

[1] ان کا پورا نام غضیف بن الحارث بن زنیم سکونی ہے حمص میں سکونت رکھتے تھے، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے تاہم [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں دن گزارے ہیں حضرت بلال، حضرت فاروق، ابو عبیدہ بن الجراح، ابوذر، ابو درداء، حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ سے حدیثیں روایت کرتے ہیں [illegible] تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۲۵۰

مقصد یہ تھا کہ جب تم کو فاروق اعظمؓ نے اچھا کہا ہے تو یقیناً تم اچھے ہو اور اچھوں کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔

یہاں یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ تبرّا والے طبقے کے لوگ بھی حضرت ابوذرؓ کو اصحاب طیبین وطاہرین میں شمار کرتے ہیں لیکن حضرت ابوذرؓ جس ذات کو حبیب خیال فرماتے تھے اور جس کی تصدیق کو گویا آسمانی تصدیق وہ سمجھتے تھے کس قدر عجیب ہے کہ ان کی اونچی شان پر وہ منہ نہ آتے اور ان کی پاک نیت پر حملے کرتے ہیں غضیف سے حضرت ابوذرؓ نے جس چیز کی درخواست کی تم خود انصاف کرو کہ کیا تقیہ کی کسی شق کے نیچے وہ داخل ہو سکتا ہے؟ ان کو کس نے مجبور کیا تھا کہ خواہ مخواہ غضیف سے دعا کے لئے الحاح وزاری کریں فمال هؤلاء القوم لا یکادون یفقهون حدیثا۔

سفر دمشق الشام

مدینہ منورہ کے قریب ایک نامی پہاڑ سلع[1] ہے حضرت ابوذرؓ کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی کہ

اذا بلغ البناء سلعا فارتحل الی الشام (مسند احمد وابویعلی)۔	جب مدینہ کی آبادی جبل سلع تک پہنچ جائے تو تم شام کی طرف کوچ کر جانا۔

یہ فرمان کیوں دیا گیا تھا، اس کی صحیح علت مجھے معلوم نہیں مگر

[1] یہ پہاڑ اسی نام سے مدینہ منورہ کے سامنے اب تک موجود ہے۔ یہی وہ کوہ مبارک ہے جس کا ذکر یسعیاہ نبی کی کتاب میں ان الفاظ میں آیا ہے: سلع کے باشندے ایک گیت گائیں گے، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے، وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے۔ کون نہیں جانتا کہ طلع البدر علینا کا گیت سلع کے باشندوں نے کب گایا اور کس کے لئے گایا۔

سلوک میں سلع کی آبادی سے کیا نقصان پہنچتا تھا۔ مرشد و مربی کے علاوہ اسے اور کون بیان کر سکتا ہے۔ تاہم قرینہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب مدینہ کی آبادی اس قدر معمور ہو جائے گی تو اس وقت اس کا تمدن بہت بڑھ جائے گا اور حضرت ابوذر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو چیز بنانا چاہتے تھے چونکہ اس کے لئے اتنی مدنیت مضر ہوتی۔ اس لئے آپ نے شام کی روانگی کا حکم دیا تھا واللہ اعلم

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فتوحات کے بعد جب مختلف مقبوضات میں فوجی چھاؤنیاں قائم ہوئیں۔ تو حضرت ابوذر نے شام کے "کتبہ" یعنی فوجی چھاؤنی میں اپنا نام لکھوا دیا۔ اور وہیں تشریف لے گئے۔ کب گئے؟ گو حافظ ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبر کی وفات ہی کے بعد یہ قصہ پیش آیا۔ لیکن قرائن کا اقتضاء ہے کہ عمر فاروق کے عہد میں جب عسکری تنظیم مقبوضات کی حفاظت کیلئے کی گئی اس وقت شام کی چھاؤنی سے آپ نے اپنا تعلق اختیار فرمایا۔ انساب الاشراف

ـلہ ابن کامل ابن اثیر وغیرہ مورخین کا یہ بیان اگر صحیح ہو کہ دمشق سے حضرت عثمان کے طلبی پر جب حضرت ابوذر مدینہ منورہ تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مدینہ کا وہی چھوٹا سا قصبہ عہد عثمانی کے ان ورنگ ترقی کرتے ہوئے اس نقطہ تک پہنچ گیا تھا کہ جہاں اس کی آبادی جبل سلع یعنی کوہ سلع کے دامن میں ابوذر نے دیکھا کہ نشست گاہیں بنی ہوئی ہیں (اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت کتنا بڑا عظیم الشان شہر ہو گیا تھا۔ جیسے ہر نئے گھر اطلاعات سلع کے دامن تک پہنچ گئے تھے بہرحال اس حال کو دیکھ کر حضرت ابوذر پر ایک حال طاری ہو گیا اور بے اختیار زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے بشر اہل المدینۃ بغارۃ شعواء وحرب مذکار (بشارت سنا دو مدینہ والوں کو ایک تباہ کن غارت گری اور مسلسل جنگ کی سیلاب آ رہا ہے) شاید اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہلے سے متنبہ فرما دیا تھا۔

بلاذری میں بھی لکھا ہے کہ کان مکتبہ بالشام الا انہ کان یھل م حاجًا ویستأذن عثمان الاذن له في مجاورة قبر رسول الله صلی الله علیه وسلم فیاذن له في ذلك (یعنی ان کی اصل چھاؤنی تو شام میں تھی لیکن اجازت لے کر حج کے لیے حجاز بھی آتے اور حضرت عثمان سے کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے جوار میں کچھ دن رہنے کی اجازت دو، وہ ان کو اجازت عطا کرتے اگر یوں کہ اور مدینہ میں ان کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا لیکن اصل قیام گاہ ان کی شام ہی کے شہر دمشق میں تھی (دیکھو البلاذری صفحہ ۵۵)

بہرحال اتنا قطعی ہے کہ خلافت عثمانی میں حضرت ابوذرؓ دمشق میں تھے وہاں کلھن کا ایک معمولی سا جھونپڑا ڈال لیا تھا جس میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔[1]

مسئلہ کنز

جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر حضرت ابوذرؓ کا خاص شیوہ تھا۔ سچائی کے اعلان میں دنیا کی کوئی قوت آپ کو روک نہیں سکتی تھی حتیٰ کہ خود علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے جیسا کہ گزر بھی چکا یعنی۔

"کہ اللہ کی باتوں میں ملامت کرنے والوں کی ملامتوں سے نہ ڈرنے
والا صرف ابوذر رہ گیا ہے"

الغرض مشکوٰۃ نبوت سے جو روشنی آپ کو عطا کی گئی تھی اسی روشنی کے عام کرنے میں آپ کبھی دریغ نہیں فرماتے تھے۔ جب موقع ملتا اسی فکر و عمل میں مصروف رہتے حتیٰ کہ تم آغاز کتاب میں پڑھ آئے ہو کہ اعلان توحید میں آپ پر کیا کیا مصائب نازل ہوئے لیکن آپ کو اس کی کوئی پروا نہ ہوتی تھی۔ یہی

---

[1] طبقات ابن سعد جزء ۴۔

وجہ ہوئی کہ جب آپ شام تشریف لائے تو یہاں بھی آپ نے وعظ و درس کا باب کھول دیا۔ اشاعت سنت میں منہمک ہو گئے اس زمانے کے مواعظ کے بعض بلیغ فقرے تاریخوں میں محفوظ بھی ہو گئے ہیں مثلاً ابلاذری نے نقل کیا ہے۔ شام میں حضرت ابوذر فرماتے تھے خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ سچائی بجھ رہی ہے، جھوٹ زندہ کیا جا رہا ہے سچے جھٹلائے جا رہے ہیں، بغیر تقویٰ کے لوگ خود غرضیاں اختیار کر رہے ہیں" ابلاذری صفحہ ۵۵

بہرحال اسی ضمن میں آپ نے مسئلہ کنز کی بھی تبلیغ شروع کی۔ جو لوگ کنز کے مرتکب تھے ان کو دھمکاتے ڈراتے۔ فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"جو لوگ چاندی اور سونے پر گرہیں لگاتے ہیں وہ شعلے بن کر ان سے چپٹیں گے جب تک کہ اسے خدا کی راہ میں صرف نہ کر دیں"

کبھی بیان کرتے کہ کانزین (یعنی سونے چاندی جمع کرنے والوں) کو مژدہ سنا دو کہ جہنم کی آگ میں تپائی ہوئی تختیاں ان کی ایک پستان پر رکھی جائیں گی حتیٰ کہ وہ سینہ کو توڑ کر۔ مونڈھے کی ہڈیوں سے نکل جائیگا اسی طرح پھر مونڈھے کی ہڈیوں پر دھری جائیں گی حتیٰ کہ وہ دوسرے پستان کی طرف سے توڑ کر باہر نکل آئے گی۔[۱] کبھی ارشاد فرماتے۔ مالدارو! غریبوں کی مدد کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

والذین یکنزون الذھب	جو لوگ سونا چاندی کو سنبت سنیت
والفضۃ ولا ینفقونھا	کر رکھتے ہیں اور

---

[۱] بخاری کتاب الزکاۃ ۲

فی سبیل اللہ فبشرھم	اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو
بعذاب الیم یوم یحمیٰ علیہا	دردناک دکھ کا مژدہ سنا دو۔ اس دن وہی
فی نار جہنم فتکوی بہا	چاندی سونا آگ میں گرم کئے جائیں گے پھر ان کی
جباھھم وجنوبھم	پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں ان سے داغی جائیں گی
وظھورھم ھذا ما کنزتم	اور کہا جائے گا یہ وہی ہے جو اپنے واسطے تم
لانفسکم فذوقوا ما	نے اکٹھا کر رکھا تھا اب چکھو اس چیز کا مزہ جس کو تم
کنتم تکنزون	جمع کیا کرتے تھے۔

الغرض متواتر مسجدوں بازاروں میں آپ کا یہ بیان ہوتا رہا۔ ابن اثیر کا بیان ہے اس واقعہ سے عام طور پر دمشق میں برہمی پھیل گئی۔ غرباء امرا کو تنگ کرنے لگے ایک آفت برپا تھی۔ طبری میں ہے۔

حتی ولع الفقراء بمثل ذالک	یہاں تک کہ فقراء بھی یہی کہنے لگے
واوجبوہ علی الاغنیاء[1]	اور امیروں پر اس کو واجب کر دیا

چونکہ اس مسئلہ نے آئندہ چل کر ایک اہم صورت اختیار کی۔ اس لئے ہم اس پر کچھ تفصیل سے کام لینا چاہتے ہیں۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ ہمارے نزدیک اس وقت تک کسی نے آپ کے اصل مقصد تک پہنچنے کی صحیح کوشش غالباً نہیں کی۔ لوگ سرسری طور پر ان کی باتوں کو سن کر گزر گئے ہیں اور یوں عام طور سے اہل علم میں بھی ایک غلط بات مشہور ہو گئی ہے۔

آپ کے مذہب کی صحیح تنقیح

مختلف لوگوں نے آپ کے خیال کی مختلف شرح کی ہے۔ ہم پہلے علماء کی آراء درج کرتے ہیں اخیر میں جو کچھ میری اپنی رائے ہے اسے بیان کروں گا۔ واللہ

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۱۲۰۰۵

یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

عام طور سے اکثر علماء کی یہی رائے ہے کہ آپ ہر ایک قسم کے مال کو جمع کرنا حرام سمجھتے تھے۔ حافظ ابو عمرو بن عبدالبر لکھتے ہیں۔

وردت آثار کثیرۃ عن ابی ذر انه کان یذھب الی ان کل مال مجموع یفضل عن القوت وسداد العیش فھو کنز یذم فاعله وان آیة الوعید نزلت فی ذالک۔

روایات کثرت سے ایسی منقول ہوئی ہیں جن میں بیان ہوا کہ وہ اپنے اس مسلک کے معتقد تھے کہ ہر مال جو ضرورت سے زائد بچے اور جس سے زندگی بسر کرنے کی ضرورت نہ ہو اس کا جمع کرنے والا قابل مذمت ہے اور وعید کی آیت قرآن مجید میں ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

لیکن ہم نہیں جانتے کہ وہ آثار کن کتابوں میں مذکور ہیں۔ طبقات مسندات، مصنفات، اس کے علاوہ عموماً تاریخ و حدیث کی کتابیں ہمارے پاس ہیں ان میں اس بڑے دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہوئی ہے کہ قاضی عیاض اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے آپ کے "نظریہ کنز" کے مطلب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

قاضی عیاض کا خیال ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عام طور پر شخص کے لئے اس کو حکم نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کی کل دھمکیاں ان بادشاہوں کے ساتھ مخصوص تھیں جو رعایا سے روپئے وصول کرکے محض اپنے عیش و آرام اور جاہ و جلال میں صرف کرتے ہیں اور ان لوگوں کے واقعی حقوق ہیں ان کو محروم رکھتے ہیں۔

علامہ نووی کو اس توجیہ پر غصہ آگیا ہے اور نہایت سختی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ابوذر تو اپنے زمانہ میں لوگوں کو دھمکاتے پھرتے تھے۔ پھر اس

قسم کے ظالم و عیش پسند بادشاہ اس زمانہ میں کب موجود تھے کہ وہ تو خلفائے صدیقین و امرائے عادلین مثل ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عہد تھا۔

حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دراصل یہ مطلب تھا کہ خود اپنے مال کے جمع کرنے میں بھی انسان دھرا جائے گا۔ بلکہ آپ کا یہ فتویٰ ان لوگوں کی حد تک محدود تھا جو دوسروں کا مال لے کر جمع کرتے ہیں اور جب اصلی مالک اس کا مطالبہ کرتا ہے تو ہاں نہیں میں ٹال دیتے ہیں۔ اس لئے اپنے مال پر کسی کی تعذیب کیوں ہو۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کا فتویٰ تھا کہ اگر زکوٰۃ نکالنے کے بعد ہمارے پاس ایک پہاڑ کے برابر سونا ہو تو ہمیں پھر کوئی خوف نہیں۔[1]

حافظ نے اس کے بعد ایک اور توجیہ بیان کی ہے چونکہ وہ بعینہٖ قاضی عیاض کی تاویل کا ترجمہ ہے اس لئے اسے قلم انداز کرتا ہوں۔

ناچیز کی رائے

اگر امام نووی کو قاضی عیاض پر اور قاضی عیاض کو اپنے گزشتہ مؤلفین و مصنفین پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ مجھے اگر اعتراض کا نہیں تو کم سے کم اپنے خیالات کے اظہار سے کیوں روکا جائے گا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ میں آئندہ لکھوں گا اس میں غلطی کی گنجائش نہیں۔ دیوانہ ہے جو ایسا سمجھتا ہے فلینظر الانسان مم خلق کے بعد اس قسم کی متکبرانہ دعاوی کا حق کس کو حاصل ہے؟ بہرحال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات و روش طرز و طریقہ معاملات، و اقوال سے میں جو کچھ سمجھا ہوں اسے پیش کئے دیتا ہوں۔

---

[1] فتح الباری شرح البخاری سے یہ شبہات نقل کئے گئے ہیں۔

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے
کہ خصوصیت کے ساتھ نقدین (سونا چاندی) جمع کرنے کی چیز نہیں علاوہ ان نقدین کے
آپ کسی اور چیز کے جمع کرنے کو منع نہیں فرماتے تھے میرے نزدیک حافظ ابو عمرو
بن عبدالبر کا یہ کہنا کہ "کل مال مجموع" مال کا لفظ جو ہر ایک قسم کے مال پر
صادق آتا ہے قابل اصلاح ہے بلکہ کہنا یہ چاہئے کہ "کل ذہب و فضۃ"
(یعنی ہر قسم کا سونا چاندی)

پھر نقدین کے بارہ میں بھی آپ کا یہ خیال کبھی نہ تھا کہ حاجت سے
اگر زیادہ ہو تو خدا ہی کی راہ میں وہ لٹا دیا جائے بلکہ خود آپ کے قول و عمل
سے عنقریب معلوم ہوگا کہ آپ کی رائے یہ تھی کہ:-

(۱) اگر روپے اشرفیاں حاجت سے زیادہ ہیں تو ان کو فوراً کسی مفید
چیز کی صورت میں بدل دو تاکہ ایک مفید جائداد ہو جائے یا روزمرہ کی
ضرورتوں میں کام آ سکے مثلاً اس سے زمین خرید لی جائے بکریاں مول لے
لی جائیں جن کے بچوں سے دودھ سے فائدہ حاصل ہو۔ گھوڑے گدھیاں
اونٹ وغیرہ لے لئے جائیں تاکہ باربرداری سواری میں ان سے آرام ملے
یا پیسے بنائے جائیں جو روزمرہ کی ضرورتوں میں کام آتے رہتے ہیں۔

(۲) اور اگر یہ چیزیں کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ ہیں تو پھر وہ
اُخروی تجارت شروع کرے یعنی بے کھٹکے ایک اشرفی کی دس اشرفیاں قضا
بناتا چلا جائے۔ البتہ جو لوگ نہ وہ کرتے ہیں اور نہ یہ کرتے ہیں بلکہ خواہ
مخواہ سونا چاندی جمع کرنے کا جن کو شوق ہے ان کے حق میں یہ آیت
پڑھا کرتے تھے۔

والذین یکنزون الذھب   اور جو لوگ جمع رکھتے ہیں سونا اور چاندی

والفضة ولا ينفقونها في سبيل الله فبشرهم بعذاب اليم - الآية	اس کو نہیں خرچ کرتے اللہ کی راہ میں تو ان کو (اے محمدؐ) ان کو خوشخبری سنا دو دردناک عذاب کی۔

حتیٰ کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سونے کے زیور کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ نہیں چاہتے تھے کہ سونا زیور کی صورت میں بھی مقید ہو جائے کیونکہ مسند میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک اعرابی آیا جس میں حضرت ابوذرؓ بھی شریک تھے اور آکر کہا۔

اکلتنا الضبع یا رسول الله یعنی السنة	ہم لوگوں کو قحط کھا گیا یا رسول اللہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں اس سے زیادہ اس وقت سے ڈرتا ہوں جب تم لوگوں پر دنیا خوب اچھی طرح بہائی جائے گی (یعنی وہ اس قحط سے زیادہ خطرناک اور ایام آزمائش ہوں گے) اور اس کے بعد نہایت حسرت سے آپ نے ارشاد فرمایا۔

فیا لیت امتی لا یتحلون الذهب	کاش میری امت سونے کا زیور استعمال نہ کرتی۔

اس روایت سے گو سونے کی حرمت مطلقاً نہیں معلوم ہوتی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا یہی تھی کہ میری امت (خواہ مرد ہو یا عورت کہ لفظ عام ہے) سونے کو استعمال نہ کرتی۔

حضرت ابوذرؓ کے اندر جو جذب کی کیفیت موجود تھی اس سے اندازہ

کیا جا سکتا ہے کہ اس نشانِ نبوت نے ان میں کس اثر کو پیدا کر دیا ہوگا۔ اگر
میں یہ کہوں کہ انھوں نے امت پر سونے کو حرام کر دیا ہوگا تو کیا بعید ہے
خصوصاً حدیث کے جب وہی راوی بھی ہیں خلاف میں اس کے ان کا
کوئی فتویٰ بھی نہیں پایا جاتا۔ تو یہ بات امکان سے بہت قریب ہو جاتی
ہے۔ جیسا کہ بعض ارباب فتاویٰ کی رائے بھی ہے۔ بہرحال اگر وہ طلائی
زیوروں کو حرام نہیں تو کم از کم ناپسند ضرور خیال فرماتے ہوں گے
اور اگر یہ بھی نہیں تو پھر اس پر زکوٰۃ ضرور فرض سمجھتے ہوں گے، جیسا کہ
حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

میرے نزدیک آپ کی رائے
کی صحیح تصریح یہی ہے، طبقات

مندرجہ بالا دعوے کے وجوہ

و مسند اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔ کثرت سے ان دونوں میں ایسی
چیزیں ملتی ہیں جن سے ہمارا دعویٰ مدلل ہو جاتا ہے خود آپ کے ذاتی
عمل اور قول سے اس کا پتہ چلتا ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں
ہو سکتی۔ اس کے ہوتے ہوئے دوسروں کی باتیں ظاہر ہے کہ کیا وقعت
رکھتی ہیں مثلاً معلوم ہوتا ہے۔

(۱) آپ اپنی تنخواہ سے سال بھر کی ضرورت کی چیز خرید لینے کے
بعد باقی روپیوں کے پیسے بھنا لیتے تھے۔

(۲) جب شام سے آپ کے اہل و عیال واپس ہوئے (جس کی تفصیل
آگے آتی ہے) تو ان کے پاس ایک کیسہ برآمد ہوا۔ لوگوں کو اس پر حیرت
ہوئی۔ اس پر آپ کی بیوی نے فرمایا کہ قسم خدا کی اس میں اشرفی اور روپیہ
نہیں ہیں بلکہ پیسے ہیں، جسے آپ ضروریات کے لئے بھنا لیا کرتے تھے۔ [illegible]

حلیہ میں قریب قریب اسی قسم کی ایک حکایت اور ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی صاحبہ کو دیکھا ان پر ایک اونی برقعہ پڑا ہوا تھا۔ چہرہ کا رنگ جھلسا ہوا تھا۔ ان کے ہاتھ میں ایک تکلہ (خشک کدو کے تونبہ کو کہتے ہیں) بھی تھا۔ صاحبزادی صاحبہ حضرت ابوذر کے سامنے آکر کھڑی ہو گئیں اور فرمانے لگیں

ابا جان! کاشتکاروں اور ساربانوں کا خیال ہے کہ آپ کے پیسے جو اس میں (تکلہ) ہیں یہ بھی ضرورت سے زیادہ ہیں۔

حضرت ابوذر نے اس کے جواب میں فرمایا: بیٹی! اس کو اپنے پاس رکھو۔ الحمد للہ کہ تمہارے باپ نے کبھی کسی رات کو اس حال میں نہ آنے دیا ہے کہ وہ نقد و سفید و زرد (سیم و زر) کا مالک ہو کر گزرے۔ پیسے یعنی یہ اتفاقی ضرورتوں کے لئے اپنے پاس ان کو ضرور رکھتا ہوں۔

(۳) آپ کے پاس گدھیاں بھی تھیں گدھے بھی تھے جو بار برداری وغیرہ میں کام آتے تھے۔[1]

(۴) آپ کے پاس اونٹ بھی تھے جن پر علاوہ سواری کے پانی لایا کرتے تھے۔[2]

(۵) آپ کی ملک میں زمین بھی تھی[3] خواہ بصورت کھیتی یا باغ۔

(۶) خود آپ سے روایت ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	جو شخص اونٹ یا گائے بکری کا مالک ہو اور اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا ہے قیامت کے

[1] طبقات ۱۲ [2] طبقات ۱۲ [3] مسند احمد میں ہے ان خبتہ لہ ضیعۃ کے معنی کھیتی اور باغ دونوں ہی کے بیان کئے گئے ہیں جیسا کہ سیاق میں (الزراعۃ) ۱۲

ما من صاحب ابل ولا بقر ولا غنم لا یودی زکوتها الا جاءت یوم القیمه اعظم ما کانت واسمنه تنطحه بقرونها وتطؤه باخفافها کلما نفدت اخرها عادت اولها حتی یقضی بین الناس.

(مسند احمد)

دن اس کے یہ جانور لائے جائیں گے۔ دنیا میں جس قدر بڑے ہوں گے قیامت کے دن اس سے زیادہ بڑے کرکے لائے جائیں گے اس وقت دنیا میں جس قدر موٹے ہوں گے اس سے زیادہ موٹے کرکے قیامت کے دن لائے جائیں گے اور پھر اپنے مالک کو سینگ ماریں گے۔ پاؤں تلے روندیں گے جب سب کی باری ختم نہ ہوگا یہ اسی طرح کرتے رہیں گے جب ایک ختم ہوگا تو دوسری کرنے لگی۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مویشیوں کی جب زکوٰۃ ادا کردی جائے تو پھر ان کے رکھنے میں مضائقہ نہیں۔ اور یہ بالکل ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اجازت دیں اسی اجازت کے خود حضرت ابوذرؓ راوی ہوں اور پھر اس کی مخالفت کریں۔

الغرض حضرت ابوذرؓ کو اجازت تھی کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد آدمی جس قدر اونٹ گائے وغیرہ رکھ سکتا ہو رکھے۔ اس کے لئے کوئی وعید نہیں۔ مسند احمد میں حضرت ابوذر سے ایک اور روایت ہے جس سے میری اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ آپ صرف سونا اور چاندی کو سونا اور چاندی کی شکل میں جو چیز بھی ہو اس کو بلا وجہ گاڑنے یا جمع کرنے کے مخالف تھے حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا۔

یا اباذر اعقل ما اقول لك | اے ابوذر! سمجھو اس کو جو میں کہتا ہوں

لعناق یأتی رجلا من المسلمین خیر له من احد ذهبا یترکه وراءه (مسند احمد ص...)۔

یعنی ایک بکری جو کسی مسلمان کو حاصل ہو اس سے بہتر ہے کہ احد کے برابر اس کے پاس سونا ہو پھر اپنے بعد اس کو چھوڑ جائے۔

الفاظ حدیث بجنسہ میں نے نقل کر دئے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا مفہوم وہی ہے جو میں نے ترجمہ میں درج کیا ہے۔ جس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ بجائے "سونے" کے آدمی کے لئے بکری کا ایک بچہ زیادہ مفید ہے، یعنی وہ ایک بڑھنے اور بڑھانے والی چیز ہے۔ عصر مطلوب میں آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ اونٹ اور بکریاں ہی تھیں، اس لئے آپ نے بکری کا ذکر کیا۔ ورنہ بظاہر مطلب اس کا یہی ہے کہ نقد کو آمدنی پیدا کرنے والی نفع بخش چیزوں میں لگا دینا زیادہ مفید ہے، بہ نسبت اس بات کے کہ زر کو زر ہی کی شکل میں مقید کر کے یونہی دفن کر دیا جائے، چونکہ مسلمانوں کے معاش کا ذریعہ یا تو اس قسم کی جائز آمدنیاں ہیں یا وہ اموال ہیں جو بذریعہ جہاد حاصل ہوئے ہوں شاید اسی کی طرف اسی حدیث کے ان آخری الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی آنحضرتؐ نے ابوذر کو پھر مخاطب کر کے فرمایا۔

اعقل یا اباذر ما اقول ان الخیل فی نواصیها البرکة الی یوم القیامة ان الخیل فی نواصیها الخیر۔

سمجھ اس کو اے ابوذر جو میں کہتا ہوں کہ گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک کے لئے برکت رکھ دی گئی ہے گھوڑوں کی پیشانی میں برکت ہے۔

ارباب حدیث جانتے ہیں کہ اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ خیر اور آمدنی کا بڑا ذریعہ گھوڑا ہے یعنی مسلمان اس وقت تک فارغ البال رہیں جب تک وہ جہاد کرتے رہیں گے۔ جس کی تعبیر گھوڑے

کی گئی کہ عرب سپاہیوں کی سب سے اہم شے جنگ کے لئے گھوڑے ہی تھے۔ اور اب تک ہیں۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسلمانوں کے معاشی ضرورتوں پر گفتگو فرما رہے ہیں اور پہاڑ کے برابر مخزونہ و مدفونہ دولت کے مقابلہ میں ادنیٰ نفع بخش آمدنی پیدا کرنیوالی چیز (عناق) کو آپ نے ترجیح دی۔ پس حافظ ابن عبد البرؒ کا یہ کہنا کہ آپ ہر ایک قسم کے مال کے لئے کنز کو حرام رکھتے تھے، جہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

ان امور کو پیش نظر رکھنے کے بعد اگر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں تو کیا کسی غلط نتیجے تک پہنچے ہیں؟ تم خود غور کرو، کہ یہ باتیں جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں اگر صحیح ہیں اور انشاء اللہ ہیں، تو پھر ہمارے دعوی کی صداقت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟

اور جب ایسا ہے، تو پھر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جن غلط نویسوں نے آپ کی طرف یہ فتوی منسوب کیا ہے کہ ابوذر کا خیال تھا کہ۔

صاحب المال کافر | مال والے کافر ہیں۔

یہ ان کے عدم تدبر کا نتیجہ ہے۔ میں متحیر ہوں کہ جب سیر کی جید و مستند کتابیں اس فتوی سے معرا ہیں، حدیثوں میں اس کا پتہ نہیں؛ بلکہ ان کتابوں میں جو کچھ بھی ملتا ہے وہ اس کے خلاف ہے تو پھر یہ کیا ظلم ہے کہ بغیر تحقیق کے ایسے نفوس بھی جن کو اپنی تاریخی وسعت نظریوں پر ناز ہے اس بے سروپا فتوے کو نقل کرتے ہیں اور پھر اس کی تنقید بھی نہیں کرتے عفی اللہ عنہم۔

ہاں! اس قدر میں بھی مانتا ہوں کہ خاص ذہب (سونا) فضہ (چاندی) کے

متعلق آپ کا یہ خیال ضرور تھا کہ یہ جمع کرنے کی چیزیں نہیں ہیں۔

مسلک ابوذری پر ایک اجمالی تبصرہ

میں حضرت ابوذر کے مسلک کی تائید کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن اس قدر ضرور کہہ سکتا ہوں اگر آپ ایسا فرماتے تھے تو شریعت اسلامیہ میں اس خیال کے پیدا ہونے کی مناسبت میں مرجود ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ اسلام نے سونے اور چاندی کے زیوروں کو مردوں پر حرام کر دیا ہے اور طلائی و نقرئی ظروف کے استعمال کو بھی اسلام نے مرد و عورت دونوں کے لیئے قطعاً ممانعت کر دی۔ آخر یہ کیوں؟ وجہ ظاہر ہے کہ سونا چاندی خود کوئی مفید چیز نہیں۔ بلکہ اُخروی و دنیوی دونوں ترقیوں کے یہ آلے ہیں۔ اگر کسی کے پاس دس ہزار اشرفیاں ہیں اور ان کو اس نے زمین میں دفن کر دیا تو حقیقت یہ ہے کہ اس نے خود اپنے نفس پر اپنے بال بچوں پر اور قوم پر ظلم کیا کہ جتنے دنوں تک وہ آغوش زمین میں سوتی رہیں گی کاش ان سے تجارت کی چیزیں خریدی جاتیں تو اسی عرصہ میں وہ دس ہزار سے بیس ہزار بن جاتیں۔ یا اگر انہیں خدا کی راہ میں صرف کر دیتا تو ہر اشرفی کے مقابلہ میں اسے دس اشرفیوں کا قطعی فائدہ ہو جاتا جو کسی طرح زوال پذیر نہیں۔

سونے کو برتن یا زیور کی صورتوں میں مقید کر دینے کے یہ معنے ہیں کہ برکتوں اور آمدنیوں کے وسیع دروازہ پر قفل لگا دیا گیا۔

اس کے علاوہ حضرت ابوذرؓ جس حدیث سے استدلال فرمایا کرتے تھے تاویلوں اور توجیہوں سے قطع نظر کر لینے کے بعد ظاہر نص کا بھی کیا یہی مقتضےٰ نہ تھا؟

اسی لیے خود قرآن کریم نے جس چیز کو جمع کرنے پر بنی آدم کو داغ دینے کی دھمکی دی ہے وہ گھر، گھوڑے، اونٹ زمین و اموال تجارت کچھ نہیں ہیں۔ بلکہ خصوصیت کے ساتھ ارشاد ہے۔

والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم یوم یحمی علیها فی نار جهنم فتکوی بها جباههم وجنوبهم وظهورهم هذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون۔

اور جو لوگ کہ سونا چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو جس دن یہ چیزیں جہنم کی آگ میں تپائی جائیں گی پھر ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں ان سے داغی جائیں گی اور کہا جائیگا یہ وہی ہے جسے تم نے اپنے لئے جوڑ کر رکھا تھا۔ پس آج اس چیز کا جو جوڑ کر رکھتے تھے اس کا مزہ چکھو۔

میں ان تاویلوں سے بے خبر نہیں ہوں جنہیں مفسرین اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں۔ مجھے علم ہے کہ بعض لوگوں نے اس آیت کو فرضیت زکوٰۃ سے پہلے کا قرار دے کر اس کی منسوخیت کا دعویٰ کیا ہے اور بعض لوگ گو یہ آیت کو محکم قرار دیتے ہیں۔ لیکن لا ینفقونها سے زکوٰۃ مراد لیتے ہیں یعنی جو لوگ ذہب و فضہ کو بغیر زکوٰۃ ادا کئے ہوئے جمع کرتے ہیں۔ یہ دھمکی ان کے حق میں ہے وغیرہ وغیرہ

لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ اگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کو ظاہری معنے پر محمول کر رہے ہیں اور جو لوگ اس کی تنسیخ یا تخصیص خبر احاد سے کرتے ہیں ان کو اس سے روک کر یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ ذہب و فضہ کی کل دو صورتیں ہیں یا تو اس کو استعمال میں لاؤ ورنہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو

ان کے سوا ایک تیسری صورت کہ گھروں میں یونہی ڈال دیا جائے، یعنی کنز بنا کر سونے چاندی کو رکھنا اس کی اجازت نہیں دی جائے گی تو بتایا جائے کہ اس میں کیا ناموزونیت ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ ان کا یہ دعوی محض بے سروپا تھا خصوصاً جب اس تفسیر کے بعد نہ نسخ ہی کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ تخصیص النص بالخبر الواحد کی خرابی میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ نہ صرف دینی حیثیت سے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اسلام کے گزشتہ بالا اصول کلیہ کو سامنے رکھ لیجئے بعد معاشی حیثیت سے بھی اس پر نکتہ چینی کی جراءت بہ مشکل ہی ہو سکتی ہے علی الخصوص جب طبرانی کی اس روایت کو بھی ہم ملا لیتے ہیں تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ کی معذوری اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

قصہ یہ ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک چھوٹا سا اسلامی مدرسہ صفہ کے نام سے جو قائم تھا غریب و محتاج لوگ جو مسلمان ہوتے تھے وہ اسی میں داخل ہو جاتے تھے۔ عام مسلمان ان کی مدد کرتے اور کھانے پینے کا سامان حسب وسعت کر دیا کرتے تھے اتفاق سے اس میں ایک طالب العلم کا انتقال ہو گیا۔ غسل دینے کے لئے جب ان کا کپڑا اتارا گیا تو ان کی لنگی سے ایک اشرفی برآمد ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا ایک داغنے والا آلہ ہے اسی کے بعد دوسرے طالب علم کا انتقال ہوا۔ ان کی بھی جب تلاشی لی گئی تو اشرفیاں برآمد ہوئیں۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا یہ داغنے کے دو آلے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ محدثین و شراح حدیث اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ صفہ کے طلبا عموماً لوگوں پر اپنی مسکنت اور غربت ظاہر کرتے تھے لیکن جب مرنے کے بعد ان کے پاس سے نقد برآمد ہوا تو اس سے ان لوگوں کی ریاکاری ثابت ہوئی

کہ باوجود ثروت کے یہ اصحاب صفہ میں شریک ہو گئے تھے۔ جو شخص سیکڑوں کی جائداد تھی خطرہ تھا کہ جب لوگوں کو یہ علم ہو جائے گا کہ صفہ والوں کے پاس روپیہ رہتے ہیں تو مستحق طلبہ بھی امداد سے محروم ہو جائیں گے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔

میں اس تاویل کو مانتا ہوں لیکن میرا مقصد یہ ہے کہ جب حضرت ابوذر کے سامنے اس قسم کے واقعات متواتر پیش ہوئے اگر اس کے بعد انہوں نے ذہب و فضہ کے متعلق گذشتہ رائے قائم کی تو یہ کوئی مستبعد اور دور از قیاس نہیں ہے گو عام ارباب فتاوی و اصحاب علم کی یہ رائے نہ ہو۔

حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوذرؓ کا مباحثہ مسئلہ کنز پر

خلافت عثمانی کا زمانہ تھا۔ شام کے ناظم و عامل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اتفاق سے ان کے عہد میں اس مسئلہ کا بہت چرچا ہوا عام طور سے ارباب دول حضرت ابوذرؓ سے برہم ہو رہے تھے مزاج میں آپکے بہت تیزی بھی تھی ممکن ہے کہ کسی پر کچھ سختی بھی کی ہو اگرچہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں تاہم اتنا معلوم ہوتا ہے دمشق میں اس مسئلہ کی بدولت ایک ہلچل مچی ہوئی تھی۔ بعض لوگوں نے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کو سونے اور چاندی سے لاد دیا تھا یقیناً ان کو حضرت ابوذر کا یہ فتوی گراں گزرتا ہوگا کیونکہ حضرت ابوذر اولاً اسے کنز کی مد میں داخل کرکے لوگوں کو نصیحت کرتے ہوں گے ورنہ کم از کم زکوٰۃ کی تاکید تو ضرور کی جاتی ہوگی پھر لوگ کو زیوروں پر زکوٰۃ فرض نہیں سمجھتے تھے (جیسا کہ بعض علمائی رائے ہے مثلاً ابن عمر وغیرہ رضی اللہ تعالی عنہم) ان کو یہ مسئلہ برا معلوم ہوتا ہوگا۔ وہ دوسروں ہی کو کیا خود امیر معاویہ کو وہ کب بخشتے تھے لکھا ہے کہ جب

دمشق میں امیر معاویہ نے اپنی مشہور سبز کوٹھی یعنی "الخضراء" کی تعمیر شروع کی۔ تو حضرت ابوذر حاضر ہوئے اور امیر معاویہ کو مخاطب کر کے فرمانے لگے تم جو یہ محل تیار کر رہے ہو، اگر خدا کے مال سے تیار کر رہے ہو تو ظاہر ہے کہ یہ خیانت ہے، اور اگر اپنے ذاتی مال سے بنوا رہے ہو، تو پھر یہ اسراف اور فضول خرچی ہے کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ کے پاس خاموشی کے سوا اس کا کوئی جواب نہ تھا۔[1] یہ بھی لکھا ہے کہ بعض موقعوں پر امیر معاویہ کی زبان سے بیت المال کے خزانے کے متعلق یہ تعبیر نکل گئی کہ یہ تو خدا کا مال ہے۔ حضرت ابوذر کو خبر ہوئی۔ تشریف لائے۔ امیر معاویہ سے پوچھا کہ کیوں جی تم مسلمانوں کے مال کو خدا کا مال کیوں کہتے ہو؟ امیر معاویہ نے فرمایا ابوذر! خدا تم پر رحم کرے۔ بھائی: کیا ہم لوگ اللہ کے عباد اور اس کے بندے نہیں ہیں اور مال جس کے پاس بھی جو کچھ ہے وہ اللہ کا مال نہیں ہے تو کس کا ہے مگر حضرت ابوذر نے یہ سننے کے بعد بھی اصرار کے ساتھ فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو بلکہ مسلمانوں کا مال ہی اس کو کہہ سکتے ہیں کہ امیر معاویہ نے فرمایا کہ اچھا آئندہ میں اس کو مال المسلمین ہی کہا کروں گا۔[2]

الغرض اس قسم کی باتیں خصوصاً کنز والے مسئلہ نے رفتہ رفتہ اتنی اہمیت حاصل کی کہ حکومت دمشق اس سے متاثر ہوئی یعنی حضرت معاویہؓ کو مجبوراً اس میں دخل دینے کی ضرورت ہوئی۔ وہ بھی آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہی تھے خود صاحب الرائے والاجتہاد تھے انہوں نے حضرت ابوذر کو بلایا اور پوچھا کہ آپ نے یہ مسئلہ کہاں سے نکالا ہے۔ حضرت ابوذر نے قرآن کی مندرجہ بالا آیت پڑھ دی، مناظرہ کا سلسلہ جس طرح شروع ہوا اس

۱؎ منتخب ۵ شرات بلاذری صفحہ ۵۰۵ ۲؎ کامل ابن اثیر صفحہ ۳۶۔ ج ۳

ناقل خود حضرت ابوذرؓ ہیں۔

حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوذرؓ کا مناظرہ

حضرت معاویہؓ۔ آپ نے مطلب غلط سمجھا ہے یہ آیت یہود و نصاریٰ کے رہبان و احبار کی شان میں نازل ہوئی ہے مسلمانوں کو اس سے کیا علاقہ۔

حضرت ابوذرؓ۔ ہرگز نہیں مسلمانوں کی شان میں ہے۔ بخاری میں یہ مناظرہ صرف اسی قدر منقول ہے۔ لیکن تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (واللہ اعلم) یہ سمجھ رہے تھے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے یعنی۔

ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ۔

(بہت سے اہل کتاب کے علماء اور صوفیہ لوگوں کے مال کو جھوٹے طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کے راستے سے ان کو روکتے ہیں (یعنی خود رشوت لیتے ہیں اور لوگوں کو کہتے ہیں کہ ان کو حرام کہتے ہیں))

یہ یقیناً احبار و رہبان نصاریٰ و یہود کے حق میں ہے چونکہ آیت والذین یکنزون الایۃ اسی رہبان و احبار والی آیت کے بعد ہے یہ صریح قرینہ ہے کہ اس آیت سے بھی مسلمانوں کو کوئی علاقہ نہیں، بلکہ جو لوگ یاکلون و یصدون کے فاعل ہیں وہی یکنزون کے بھی ہیں۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال مبارک یہ تھا کہ یہ آیت پہلی آیت سے بالکل الگ ہے ورنہ الذین کو مکرر کرنے کی کیا ضرورت تھی جس طرح یصدون کو بغیر (الذین) کے عطف کیا گیا ہے اسی طرح یہاں بھی کیا جاتا۔ یہ دلیل ہے کہ یہ آیت اس شخص کے متعلق ہے

جو سیم و زر کو جمع کرتا ہے۔ خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ واقعہ کیا ہے جس آیت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کا اختلاف ہو بے ادبی ہو گی اگر ہم جیسے کندۂ ناتراش ان میں فیصلہ کرنے کی جرأت کریں۔ یہ ایک ذوقی چیز ہے سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ پلہ کس کا جھکا ہوا ہے۔

الغرض مناظرہ ہوتا رہا اور شاید مہینوں ہوتا رہا لیکن دونوں ایک ہی اکھاڑے کے پہلوان تھے ایک نے دوسرے کی بالکل نہیں سنی اپنی اپنی رایوں پر ہر شخص قائم رہا اور اس کا دونوں مجتہدوں کو اختیار تھا۔
کامل ابن اثیر میں قرآنی آیت کے ذکر کے بعد ایک دلچسپ آزمائش لطیفہ بھی نقل کیا ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ جب باتوں سے کام نہ چلا تو امیر معاویہ نے کسی کو ایک ہزار اشرفیاں دے کر رات کو حضرت ابوذر کے پاس بھیجا، اشرفیوں کو لے کر حضرت ابوذر نے صبح ہونے سے پہلے ارباب استحقاق میں ان کو تقسیم کر دیا، امیر معاویہ نے صبح کی نماز کے بعد اسی شخص کو بلایا جو اشرفیاں لے کر حضرت ابوذر کے پاس گیا تھا اور اس سے کہا کہ تم ابوذر کے پاس جاؤ اور اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے کہنا کہ مجھے مصیبت سے نجات دلائیے بڑی سخت غلطی مجھ سے ہو گئی۔ امیر معاویہ نے دوسرے آدمی کے پاس یہ اشرفیاں بھیجی تھیں غلطی سے میں نے آپ کو پہنچا دیں۔ آدمی نے یہی کیا۔ حضرت ابوذر نے فرمایا کہ بیٹے! معاویہ سے کہنا کہ تمہاری اشرفیاں تو صبح ہونے سے پہلے خرچ ہو گئیں۔ البتہ تین دن کی مہلت دیں تو میں بندوبست کر سکتا ہوں آدمی نے یہ جا کر رپورٹ کر دیا۔ امیر معاویہ نے فرمایا کہ بیشک ابوذر جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں [illegible] گویا اس طریقہ سے امیر معاویہ نے امتحان لیا

یہ وعظ و نصیحت صرف دوسروں تک ہے یا خود بھی اس پر عامل ہیں ظاہر ہے
کہ ان میں ابوذر کامیاب نہ ہوتے تو اور کون ہوتا

حضرت ابوذر کو سمجھانے کے لئے چند صحابہ بھیجے جاتے ہیں

تنگ آکر معاویہؓ نے چند جلیل القدر صحابیوں کو دعوت دی جن میں ذیل کے حضرات تھے۔ حضرت ابو درداء، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سب کو بلا کر آپ نے فرمایا۔

کہ جس طرح ابوذرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے آپ لوگ بھی رہے ہیں جس طرح ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ اور ان کے دیکھنے والے ہیں یہی شرف و عزت آپ لوگوں کو بھی حاصل ہے۔ پس کیا آپ لوگ جا کر انہیں سمجھا سکتے ہیں؟ میری تو وہ نہیں سنتے۔ سبھوں نے آپ کی درخواست قبول کی اور ایک مختصر وفد کی صورت میں یہ لوگ حضرت ابوذر کے گھر پہنچے سبھوں نے اپنے علم و عقل کے اعتبار سے آپ کی فہمائش کی کاش مورخین ان باتوں کو نقل کرتے تو دلچسپ چیز ہوتی۔ مگر اس وقت تک کسی کتاب میں اس کی تفصیل نہ ملی۔

حضرت ابوذر نے جب سب کی گفتگو سن لی تو سب سے پہلے حضرت عبادہؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔

"اے ابوالولید (حضرت عبادہ) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ

ؓ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہونے والے انصار کے ایک نقیب اپنے قبیلہ کے بھی تھے ... نقیب
(الاستیعاب)

ہم سے ہجرت میں مقدم ہیں آپ عمر میں بھی بڑے ہیں آپ کو
ہم پر بزرگی بھی حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
صحبت بھی آپ نے مجھ سے زیادہ اٹھائی ہے۔"
"تم ہی پر تو زیادہ تعجب ہے اور مجھے اس وجہ سے زیادہ
نفرت ہوئی کہ آپ بھی اس میں شریک ہوئے (یعنی باوجود
اس فضل و کمال کے آپ بھی بہکانے آئے ہیں)

حضرت عبادہ سے تو صرف اس قدر فرما کر چپ ہو گئے اس کے بعد
علی الترتیب دوسروں کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔

"رہے تم ابو درداء تو وہ وقت قریب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے تمہیں ایمان لانے کا موقع نہ ملے مگر
خیر تم ایمان لائے اور اس کے بعد بچے اور صلحائے مسلمین میں
سے ہوئے (یعنی تمہاری صحبت تو مختصر ہے) تم ہماری باتوں پر کیا
نکتہ چینی کر سکتے ہو منشاء رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مجھ

سلہ عقبہ ثانیہ کی بیعت میں شریک تھے اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے، حضرت عمر
نے آپ کو شام میں معلم اور قاضی بنا کر بھیجا حضرت معاویہ سے آپ کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو گیا تھا
لیکن حضرت عمر نے پھر آپ کو واپس بھیجا اور کہا کہ معاویہ تم پر امیر نہیں ہیں سنہ ۳۴ھ میں آپ کا
انتقال ہوا ۱۲ استیعاب

سلہ آپ کا نام عویمر تھا اپنے گھر میں سب سے آخر میں مسلمان ہوئے آپ کا نام حکیم الامت تھا
جلیل القدر لوگوں میں تھے۔ جس وقت آپ کو یہ خبر ملی کہ حضرت ابو ذر مدینہ چھوڑ کر ربذہ چلے
گئے فرمایا "انا للہ وانا الیہ راجعون" اگر ابو ذر میرا ہاتھ بھی کاٹ دیتا تو میں اس کی مذمت
نہ کرتا سنہ ۳۲ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔ ۱۲ استیعاب۔

ہم سمجھتے ہیں یقیناً وہاں تک تمہاری رسائی نہیں ہو سکتی)

اور عمرو بن العاص اور سے تم تو خود بتاؤ کہ جہاد کے علاوہ
تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور کیا کیا ہے
(یعنی فضیلت صحبت ضرور حاصل ہے خصوصاً جہاد کی صحبت لیکن
مسائل شرعیہ کے سمجھنے کے لئے صرف اتنی صحبت کافی نہیں
ہو سکتی ہے میں تو سالہا سال حضور کی خدمت میں سفر و حضر میں رہا
ہوں اور تم صرف جہاد میں پس تم کو بھی مجھ پر اعتراض کا حق نہیں)
اور ان بیچاری ام حرام کو کیا کہوں ایک عورت ہیں۔ پھر ان کی
عقل بھی ایک عورت ہی کی عقل ہو گی۔"

اور اخیر میں آپ نے ایک جملہ فرمایا جس کا مطلب ہمارے نزدیک
یہی ہے!

"کہ پس جو تم لوگوں کا حال ہے ان کا (یعنی حضرت معاویہ) بھی
اسی کے قریب ہے۔"

اس مفصل اور جلالی تقریر کو سن کر حضرت عبادہ دم بخود ہو گئے اور

؎ آپ سنہ ۸ھ میں اسلام لائے۔ اسی سن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ذات السلاسل
پر بھیجا۔ اور اس کے بعد عمرؓ [illegible] [illegible] یہ کے فتح آپ ہی [illegible]۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت
علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان جو مناقشہ ہوا اس میں آپ شریک تھے [illegible] میں انتقال
[illegible]

[illegible]

کہتے ہوئے واپس تشریف لے گئے

لاجرم ما جلست مثل هذا المجلس ابداً ۱؎ | یقیناً میں ایسی مجلس میں کبھی نہیں بیٹھا (جس میں کھری کھری سنائی جاتی ہو)

الغرض یہ لوگ جس طرح آئے تھے اسی طرح واپس تشریف لے گئے، حضرت معاویہ کو جاکر کہہ دیا ہوگا کہ ان سے ہم لوگ باتیں نہیں کر سکتے۔

آپ کی تبحر علمی پر ایک نظر

یہ ایک بڑی سخت نادانی ہے کہ صحابہ آپس میں جو باتیں کرتے ہیں لوگ ان کو اپنی نسبت سے خیال کرکے شکوک و وساوس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ صحابہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ معاصر تھے۔ برابری کے درجے تھے آپس میں ایک دوسرے کو جو کچھ کہتے تھے ان کو اس کا حق حاصل تھا۔ لیکن ان کی باہمی مکالموں سے یہ نتیجہ پیدا کرنا کہ ہم بھی پھر صحابہ کی شان میں وہ الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔ نہ صرف خود اپنی بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور آپ کی مجلس کی توہین کرنی ہے۔ ہمارے لئے ہر ایک صحابی بزرگ اور ہر ایک ان میں تمام امت کا سردار و پیشوا ہے بایھم اقتدیتم اھتدیتم کے الفاظ ایمان و اسلام کے نگینوں کی نقوش ہیں۔ اور ہر مسلمان کو اپنے لوح دل پر اس کو کندہ کر لینا چاہیے۔

ہاں یہ ٹھیک بات ہے کہ کسی صحابی نے اگر دوسرے کو کچھ کہا تو اس کی تحقیق میں کوئی مضائقہ نہیں کہ انہوں نے کہاں تک درست فرمایا اگر پتہ چل جائے تو فبہا ورنہ اپنے علم کو متہم کرنا چاہیے سمجھنا چاہیے کہ ہماری

۱؎ مسند احمد حاشیہ ابن ماجہ ۱۲

ترجیح فرمایا ہوگا لیکن ہم اسے سمجھ نہیں سکے یا واقعات کے نہ معلوم ہونے سے ہم کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔ الی غیر ذلک

بہرحال چونکہ حضرت ابوذرؓ سے اس معاملہ میں فضیلت علمی کا ادعا پایا جاتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ مختصر لفظوں میں اس پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔

حیدر کرار اقضی الصحابہ و باب العلم کی اس شہادت کو پڑھو! اور خود غور کرو! کہ اگر انہوں نے ایسا فرمایا تو کیا غلط فرمایا۔ فرماتے ہیں۔

"ابوذرؓ حقیقت میں ایسے لالچی تھے۔ لالچی دین کی پیروی کرنے میں اور دینی باتوں پر عمل کرنے میں اور علم کے حاصل کرنے میں تھے بہت زیادہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے پھر کبھی نہیں جواب دیا گیا ہے اور کبھی نہیں لیکن اس پر بھی"

قد مُلِئَ له في وعائه حتى امتلاء ۔ عه ان کا برتن بھرا گیا حتیٰ کہ وہ بھر گیا

کیا علم کے دروازہ کی یہ گواہی ابوذرؓ کے دعویٰ کی یہ دلیل نہیں۔ خود حضرت ابوذرؓ کبھی جوش میں آکر فرما دیا کرتے تھے، کہ

"ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت چھوڑا ہے کہ فضائے آسمانی میں بازو ہلا کر اڑنے والا کوئی ایسا پرندہ نہیں ہے کہ ہمیں اس کے متعلق کوئی خاص بات نہ معلوم ہوئی ہو"

اگر حضرت ابوذرؓ کی صداقت میں کسی کو شبہ نہیں تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ آپ کی علمی دسترس کا کیا حال ہوگا۔

عه طبقات ابن سعد جلد ۴ [illegible]

عه مسند احمد [illegible] صفحات [illegible]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق

اور کون ہے جو ان کی پہچان میں کوئی شناخت پیدا کر سکتا ہے جب کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر کی زبان و لہجہ کی صداقت کی خود تصدیق فرمائی صحیح حدیث ہے۔

ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء علی ذی لهجة اصدق من ابی ذر

کسی ایسے آدمی پر آسمان نے سایہ نہیں کیا اور زمین نے اس کا بوجھ نہیں اٹھایا جو ابوذر سے بھی زیادہ سچا ہو۔

اس تصدیق و تزکیہ کے لئے اس سے زیادہ وزن دار زیادہ روشن نمایاں الفاظ اور بھی مل سکتے ہیں اور کیا اس حدیث کو پیش نظر رکھنے کے بعد اگر ابوذر کے دعویٰ کو نبوی دعویٰ یعنی مرفوع حدیث کا حکم دے دیا جائے تو اصولاً کوئی مانع ہو سکتا ہے!

غرض مجھے کہنا یہ ہے کہ ابوذر کے علوم و معارف کی نوعیت اور ان کا جب یہ حال تھا تو اگر انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گزشتہ بالا باتیں کہہ کر واپس کر دیا تو یہ کوئی اعتراض و طعن کا مقام نہیں ہو سکتا لمن کان له قلب

حضرت معاویہؓ کا تشدد

حضرت معاویہ نے خود سمجھایا صحابہ کو بھی کہہ کر فہمایش کی کوشش کی لیکن جب کسی طرح کامیابی نہ ہوئی۔ اور ادھر لوگوں کی شکایتوں سے آپ گھبرا گھبرا جاتے تھے تقریباً روزانہ ارباب ثروت اصحاب دولت حضرت ابوذر کے خلاف میں عرضیاں بھیجا کرتے اور درخواست دیتے کہ خدارا ان کی طرف ہو کر ہماری ہجو و تذلیل کرتے رہتے ہیں جدھر سے مالداروں کا گزر ہوتا کنز والی آیت و حدیث

ان کے سامنے نعرا پڑھ دیتے جس سے خواہ مخواہ ان کی جمعیت منتشر ہو جاتی ہو گی۔¹

انجام کار حضرت معاویہ نے مجبور ہو کر مصالح ملکی کو دیکھتے ہوئے منادی کرا دی کہ ابوذر کی مجلس میں کوئی شریک نہ ہو، ان کے ساتھ کوئی نہ بیٹھے۔²

جس وقت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی خبر ملی کہ مجھ سے مقاطعہ کا حکم دیا گیا ہے تو بجائے بگڑنے اور خفا ہونے کے اس حکم کے آگے آپ نے اسی وقت سر تسلیم خم کر دیا، اگر کوئی آپ کے پاس آ کر بیٹھتا تو اُسے منع فرماتے اور کہتے کہ "معاویہ کا حکم ہے کہ ہمارے ساتھ کوئی نہ بیٹھے۔ دیکھو تم اٹھ جاؤ میں تمہارے لئے کوئی مصیبت تیار کرنی نہیں چاہتا"³

ابن خلدون کا بیان ہے کہ فتنہ پردازوں کی ایک جماعت اس کے بعد آپ کے پاس آئی جس نے حضرت معاویہؓ کے خلاف ابھارنا چاہا لیکن چونکہ آپ کی وجہ سے وہاں کوئی فساد نہ اٹھا۔ اس لئے یہ غلطی ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو نکال دیا۔

بلکہ البلاذری نے انساب میں تو صراحۃً یہ بیان کیا ہے کہ ان فتنہ پردازوں کو حضرت ابوذر نے یہ فرما کر نکال دیا کہ حکومت وقت کا اقتدار جس کے ہاتھ میں ہے یعنی مسلمانوں کے سلطان کو جو ذلیل کرے گا، پھر اس کے لئے توبہ نہیں ہے، فتنہ پردازوں نے یہ سن کر اپنی راہ لی۔ البلاذری کے مطابق وجہ یہ تھی کہ اس سے پہلے حضرت معاویہؓ نے آپ سے جو کچھ گفتگو کی یا

---

۱ طبقات صفحہ ۱۱ ۔ ۲ طبقات صفحہ ۱۱

۳ ابن خلدون صفحہ ۲ ۔ طبقات و مسند ۱۲۔

کرائی وہ محض ایک صحابی ہونے کی حیثیت سے تھی، اس لئے اس کا ماننا آپ کے لئے ضروری نہ تھا۔

اور یہ حکم آپ کا بحیثیت نائب الخلیفہ، امیر الملک ہونے کے تھا۔ جس کی مخالفت حضرت ابوذر سے ناممکن تھی، حضرت معاویہؓ تو ایک قریشی نژاد جلیل القدر صحابی تھے آپ کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی جسے اکثر خود بھی فرمایا کرتے تھے۔

"کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی ہے کہ اگر کوئی حبشی گوش بریدہ غلام بھی تم پر امیر بنا دیا جائے تو اس کی اطاعت کرنا اور اس کے حکموں کو ماننا"

اور جب ایسے غلام کی اطاعت کا پیغمبر نے آپ کے لئے ضروری ٹھہرا دیا تھا تو محال تھا کہ حضرت معاویہؓ کے حکم سے وہ سرتابی فرماتے۔ اور ان کے خلاف میں کوئی علم بغاوت العیاذ باللہ بلند فرماتے۔

لیکن اس کا علاج نہ تھا کہ دور دور سے لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے۔ آپ ان کو لاکھ منع فرماتے تھے لیکن جو کشش آپ میں تھی وہ ان کو پچھاڑ کر کھینچ کر آپ کے قدموں پر ڈال دیتی تھی۔

اور جب وہ آجاتے تو پھر آپ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مشغلہ کو زندہ کرتے کیونکہ حضرت معاویہ نے صرف اس بات کی منادی عامۃ المسلمین کے لئے کی تھی کہ وہ ان کے پاس نہ جائیں۔ لیکن خود حضرت ابوذر کو بارگاہ نائب الحکومت سے یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے حدیثیں نہ بیان کریں، یا مسائل وفتاوٰی کی اشاعت نہ کریں، اس لئے جب لوگ آجاتے تو پہلے ان کو اٹھاتے لیکن جب نہیں اٹھتے تو پھر ان کے سامنے

کچھ نہ کچھ بیان کرتے تھے۔

آپ کی تبلیغی اولوالعزمیاں

اس وقت تک کثرت سے ایسے واقعات گزر چکے ہیں جن میں آپ کے اس ذوق کی پوری جھلکیاں موجود ہیں۔ تاہم اس لئے کہ جب خواہ مخواہ رگ برہم ہوتے تھے تو آپ نے خاموشی کیوں نہیں اختیار کی؟ ہم چاہتے ہیں کہ اس پر ایک مستقل لیکن مختصر تبصرہ اور آپ کے خیالات کا ایک عکس پیش کر دیں۔ صحاح میں ہے کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

کہ اگر میری گردن پر تلوار کی دھار بھی رکھ دی جائے اور کسی بھی بات کی تبلیغ اس سے رہ گئی ہو تو اسے نافذ کر کے رہوں گا۔[1]

یہ بھی عموماً آپ بیان کیا کرتے تھے۔

کہ میرے دوست (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے وصیت کی ہے کہ میں سچ بات کہوں اگرچہ وہ تلخ ہی کیوں نہ ہو۔[2]

اسی طرح آپ کا قول یہ بھی تھا کہ

کہ ان لوگوں (یعنی خلفاء و امراء) کی اطاعت ہم پر ضرور فرض ہے مگر ان تین باتوں میں یہ مانع نہیں ہوں گے، نیکی کی تعلیم دینے سے اور برائی سے روکنے سے، اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اشاعت و نشر و اشاعت کرتے رہیں۔[3]

ظاہر ہے کہ تبلیغ و اشاعت کا جذبہ جس کے سینہ میں اس طرح ہیجان انگیز ہو وہ لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر اگر بے قرار نہ ہو تو آخر کیا ہو۔ حدیث کی کتابوں میں آپکے

[illegible] سنن دارمی

مواعظ و تذکیرات کا ایک بڑا ذخیرہ محفوظ ہے۔ اس باب میں تمام صحابہ سے الگ تھلگ ایک خاص ذوق کے آپ مالک تھے۔ حج کے موسم میں خصوصیت کے ساتھ آپ کا یہ تبلیغی جذبہ خاص طور پر ابھر جاتا۔ جہاں کچھ لوگ نظر آئے اور کھڑے ہو گئے فرماتے

"لوگو! دوڑو ایک مہربان ہی خواہ بھائی کی طرف! یعنی میں جندب غفاری"

کبھی کبھی زنجیر تھامے ہوئے تقریر فرماتے۔

بہر حال ممکن تھا کہ حضرت معاویہ خود آپ ہی کو درس و وعظ سے روکتے۔ لیکن ان کا دل حضرت ابوذر کی قدر کرتا تھا۔ آپ ان کی عظمت اور جیسی کچھ قدر ان کی کرتے تھے وہ اس حکم کے نفاذ میں دامن کش ہو جاتا۔ ارادہ بھی کرتے تھے، لیکن مروت و ادب مانع آجاتا۔

دربار خلافت سے طلب تابید

آخر جب خود اُن سے کچھ نہ ہو سکا تو مجبور ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں اُنہوں نے چٹھی لکھی۔ دمشق کے لوگوں کی برہمی اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغ وغیرہ کا قصہ انہیں لکھ بھیجا اور اخیر میں لکھا۔

"ابوذر کی وجہ سے یہاں بہت فساد برپا ہو رہا ہے آپ انہیں مدینہ منورہ بلا لیں۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجبوریوں کو دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی مناسب خیال کیا کہ انہیں شام سے بلا لیا جائے

لہ طبقات [illegible]

اور ایک خاص آدمی اس کام کے لیے روانہ کیا۔ اس کے ساتھ حضرت ابوذرؓ کے نام یہ فرمان تھا، کہ "تم ابھی مدینہ چلے آؤ"[1]

دمشق سے روانگی

جس وقت حضرت ابوذرؓ کو یہ فرمان ملا بلا کسی چون و چرا روانہ ہو گئے اسی وقت تن تنہا اس شخص کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گئے جو آپ کو مدینہ سے لینے آیا تھا۔ حتیٰ کہ بال بچوں کے لے جانے کا سامان بھی عجلت میں آپ نہ کر سکے۔ بعد کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اطمینان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی مدینہ روانہ کر دیا[2] جب آپ کے اہل و عیال مدینہ آئے تو سامانوں میں ایک کیسہ برآمد ہوا جس میں پیسے بھرے ہوئے تھے۔ مدینہ میں یہ خبر مشہور رہی کہ آپ مال جمع کرنے کے مخالف ہیں اس لئے لوگوں کو تعجب ہوا۔ مگر جو تشریح میں نے آپ کے مذہب کی کی ہے اس کے بعد اعتراض کب باقی رہ سکتا ہے۔

مدینہ کا داخلہ

خود آپ ہی کا بیان ہے کہ جس وقت میں مدینہ میں داخل ہوا خلق اتنی تھی کہ ٹوٹی پڑتی تھی ہر چہار طرف سے لوگوں نے مجھے گھیر لیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس سے پہلے انہوں نے مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

مدینہ میں بھی اس مسئلہ کا افشا، اور لوگوں کی برہمی

زائرین و مشتاقان جمال ابوذری کا یہ ہجوم ایک دو دن تک محدود نہ رہا۔ بلکہ روزانہ لوگوں کی ایک بھیڑ آپ کے گرد رہتی تھی۔ جیسا کہ آپ کی عادت تھی یہاں بھی آپ نے وعظ و پند کا دروازہ کھول دیا منجملہ اور باتوں کے آپ اس ضمن میں مسئلہ کنز کو بھی بیان کرتے تھے۔

---

[1] طبقات ص ۱۶۵ ج ۴ ، [2] طبقات ایضاً

یہ ایک ایسا دل خراش منظر تھا کہ نا سمجھ دولتمندوں کی پیشانیاں بالآخر یہاں بھی چڑھنے لگیں۔ غربا امیروں پر تھیٹے لگانے لگے۔ داغ داغ کی صدا ہر طرف بلند ہونے لگی۔

آہستہ آہستہ یہاں بھی اس مسئلہ نے زور پکڑا۔ مسند احمد میں صاف طور سے مذکور ہے۔

"کہ مدینہ والے آپ سے بگڑ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کی شکایت شروع کی:"

بہرحال! "ہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیداست" مخالفین نے یہاں بھی آپ کو ستانا شروع کیا۔ حضرت عثمانؓ کے کان میں کثرت سے یہ آواز پہنچائی گئی۔

"کہ جس وجہ سے انہیں شام سے بلوایا گیا مدینہ میں بھی آکر انہوں نے وہی مسئلہ چھیڑ دیا ہے۔ ایک فساد برپا ہو رہا ہے"[1]

دربارِ خلافت میں کعب احبار سے مناظرہ

حضرت عثمانؓ نے تنگ آکر ابوذرؓ کو بلوایا دربار میں کعب احبار موجود تھے حضرت عثمانؓ نے اشارہ کیا، ان سے بحث کرو۔ ابوذرؓ سمجھا دو۔ کعب احبار آگے بڑھے اور مخاطب کر کے اس طرح تقریر شروع کی۔

---

[1] طبقات صفحہ ۵ ج ۲

[2] [illegible] جناب ابوذرؓ [illegible] کہتا ہے دنگلوں [illegible] ایک [illegible] حضرت عثمان نے کی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

"آپ جانتے ہیں کہ دنیا کے تمام مذہبوں میں سب سے زیادہ آسان و معتدل شریعت مذہب اسلام کی ہے۔ اسلام کا ہر قانون انسانی فطرت کے موافق اور ان کی ضرورتوں کے مطابق ہے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ موسیٰ کی شریعت تمام شریعتوں میں سخت گیر اور کڑی ہے۔

پھر جب کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی مال جمع کرنے کی ممانعت نہیں ہے جب یہودیوں کو بھی اس کا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی ساری دولت خدا کی راہ میں لٹا دیں تو اسلام کی معتدل و متوسط شریعت میں یہ سخت قانون کس طرح ہو سکتا ہے؟ اگر جو کچھ ضرورت سے زیادہ بچ جائے اسے خدا کی راہ میں لٹا دیا جائے ورنہ قیامت کے دن وہ [illegible] بن کر چمٹیں گے۔"

ایک اور معارضہ بھی کتابوں میں منقول ہے، انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی کعب احبار کی منطقی دماغ کا نتیجہ ہے، بہرکیف اس کا خلاصہ یہ ہے:

"کہ جب ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنی ساری دولت خدا کی راہ میں لٹا کر مرے اور اپنے پاس کچھ اندوختہ نہ چھوڑے تو پھر اللہ تعالیٰ نے میراث کی آیتیں کیوں نازل فرمائیں جب میت کے لئے کچھ چھوڑ کر مرنا جائز ہی نہیں تو وارثوں پر کیا چیز تقسیم ہو گی، غرض قرآن کی اقتضاء النص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کل مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا ضروری نہیں ہے۔"[1]

ایک تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جذب غالب تھا، دوسرے دنیوی کششیں قریب قریب سب ان کے دماغ سے معطل بے تعلق تھیں، کیوں کہ ابھی تم

[1] روح المعانی صفحہ ۶ جلد ۱۰

پڑھ آئے ہو کہ مطلقاً مال اندوزی کے وہ مخالف ہی کب تھے۔

اور یہ کل اعتراضات اس پر پڑ سکتے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے آخر وسعت وفراخی کا مدار کیا صرف اس پر ہے کہ گھر میں سونا چاندی ہو۔ زمین، اونٹ، جانور، اموال تجارت وغیرہ سے وسعت وفراخی نہیں حاصل ہوتی، پھر اگر سونے چاندی کے دفینے بنانے کی ممانعت میں ایسی سختی کیا پیدا ہوتی ہے، جس سے اسلام کے اعتدالی مسلک پر حرف آسکتا ہے۔ اسی طرح کیا میراث صرف زر و سیم ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور مالوں میں وراثت کیا جاری نہیں ہوتی؟

حضرت ابوذر کا اصرار جو کچھ بھی تھا وہ محض چاندی سونے کی حد تک محدود تھا اور اس کا منشا بھی وہی تھا کہ یہ دونوں چیزیں بیکار رکھ چھوڑنے کی نہیں ہیں اور اس میں ایسی کونسی بات ہے جسے ہم فطرت اسلامی پر ظلم قرار دے سکتے ہیں۔

بہرحال میں بتا چکا ہوں کہ حضرت ابوذر تدین و تمدن دونوں اعتبار سے کنز کو غیر مفید سمجھتے تھے اور اس پر آیت قرآنیہ احادیث نبویہ نیز اصول اسلامیہ سے روشنی ڈالتے تھے لیکن کعب احبار نے مسئلہ کی کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منشاء کے موافق نہ سمجھ کر اور یہ خیال کر کے کہ یہ مطلقاً مال جمع کرنے کو حرام کہتے ہیں، اعتراضات کر دئیے، اور اس پر طرہ یہ ہے کہ یہ بیچارے صحابی بھی نہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایمان لائے تھے، اور اعتراض بھی کیا تو اس شخص پر جس پر عام صحابیوں کو بھی نکتہ چینی اور اعتراض کی ہمت مشکل ہی سے ہوتی تھی۔

الغرض کچھ اس طرح سے یہاں پر کچھ ایسی باتیں جمع ہو گئیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غصہ تھم نہ سکا اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب

کوئی چھوٹا آدمی کسی بڑے آدمی پر، اسی کے ساتھ، اعتراض کرتا ہے اور پھر جواب پوچھنے کے نہیں بلکہ الزام دینے کے لئے، تو یقیناً آدمی بے اختیار ہو جاتا ہے خصوصاً جب اس میں مجذوبیت کی بھی کچھ کیفیت پائی جاتی ہو۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جواب وغیرہ تو کیا دیتے، وہیں بھرے دربار میں

لہ دربار خلافت میں یہ گفتگو ہوئی بعضوں نے تو اس کی بڑی تفصیل بیان کی ہے جسے اصل کتاب میں نے درج کیا ہے۔ لیکن طبری ابن اثیر وغیرہ میں اس گفتگو کو جس انداز سے نقل کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان نے شام سے واپس آنے کے بعد حضرت ابوذر سے فرمایا کہ شام کے لوگ شاکی ہیں۔ آپ کی زبان کی تیزی کے شاکی ہیں۔ اس کے بعد حضرت عثمان نے کہا کہ ابوذر! ہم پر جو کچھ واجب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خود ادا کریں ہم پر واجب یہ ہے کہ جس [illegible] رعیت کو بھی کہ زکوٰۃ اور اعمال میں اعتدال و اقتصاد کی دعوت دیں لیکن ہم پر یہ تو واجب نہیں ہے کہ لوگوں کو ترک دنیا پر مجبور کریں۔ یہ سن کر بجائے جواب دینے کے حضرت ابوذر نے زور زور سے کہنا شروع کیا "ہرگز ہرگز امیروں سے راضی نہ ہونا چاہئے جب تک کہ [illegible] پر اپنی دولت نہ خرچ کریں۔ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش نہ آئیں، مصیبت زدوں کی خبرگیری نہ کریں اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی نہ کریں" دراصل یہی جواب تھا جو حضرت عثمان کو وہ دے رہے تھے کہ میں ترک دنیا پر کب لوگوں کو مجبور کرتا ہوں بلکہ دوسرے فرائض کے متعلق کہتا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ اسی موقع پر کعب احبار کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا کہ جس نے فرض ادا کر دیا یعنی زکوٰۃ ادا کر دی اس پر جو بات فرض تھی اس سے وہ سبکدوش ہو گیا، یہی نقطۂ نظر تھا جو ان دونوں میں فرق تھا۔ اسی پر ان کو غصہ آگیا۔ اور کعب احبار کو مخاطب کر کے بولے "اے یہودیہ کے بچے! تو [illegible] اس مقام پر آ کر ہمیں سکھاتا ہے" اس کے ساتھ ڈنڈا بھی رسید کیا جس سے کعب کا سر کھل گیا۔ مسعودی ج ا طبری ج ۵ [illegible]

حضرت ابوذر نے سونٹا اٹھا کر کہا کہ "او یہودی بچہ کیا باتیں بناتا ہے"۔

کعب احبار نے دیکھا کہ معاملہ بگڑتا ہوا نظر آتا ہے کہیں حضرت ابوذر سونٹا رسید نہ کر دیں۔ بیچارے بھاگے۔ حضرت ابوذر بھی کب چھوڑنے والے تھے غصہ بھڑکا ہوا تھا۔ یہ بھی لاٹھی لیے ہوئے اُن کے پیچھے روانہ ہوئے وہ بھاگتے جاتے تھے اور یہ کچھ بُرا بھلا کہتے ہوئے تعاقب کرنے لگے اخیر میں تھک کر کعب احبار حضرت عثمانؓ کی طرف بڑھے اور اپنے کو ان کی پشت مبارک پر ڈال دیا۔

مگر حضرت ابوذر وہاں بھی پہنچ ہی گئے گو حضرت عثمان کو وہ خلیفہ ضرور سمجھتے تھے لیکن اپنا بھائی اور ساتھی بھی تو خیال کرتے تھے غرض پہنچ آپ نے ایک سونٹا چلا ہی دیا۔ عام روایت تو یہی ہے کہ وہ مجذوب کی لاٹھی کعب ہی پر پڑی لیکن بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اچٹ کر حضرت عثمانؓ کی پشت مبارک پر جا کر ضرب گئی۔[۱]

---

[۱] ابوذرؓ کی زبان سے غصہ میں یہ لفظ نکل گیا ہوگا وہ ایک مجذوب آدمی [illegible] غصہ میں [illegible] یہودی بچے کیا [illegible] لاٹھی [illegible] [illegible]

[۲] یہ [illegible] حدیث کی کتابوں میں موجود ہے [illegible] جلد [illegible] سے یہاں نقل کیا ہے [illegible] کعب [illegible] بھی چوٹ آگئی [illegible] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ [illegible] کعب احبار [illegible] حضرت [illegible] اس جھگڑے کا ذکر کیا ہے [illegible] اگر یہ صحیح ہو تو [illegible] اعتراضوں کا جواب [illegible]

ممکن ہے کہ ایسا ہو گیا ہو کہ اس قسم کی وصیت کا شیشوں میں یہ کوئی سبب نہیں۔

لیکن منقول نہیں کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی پر اس سے کوئی بل بھی آیا ہو۔ اور کس طرح آسکتا تھا، وہ خلیفہ تھے، بلکہ اس زمانہ میں ایشیا اور افریقہ کے سب سے بڑے بادشاہ تھے مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی جانتے تھے کہ ابوذر بھی ایک ایسے خاندان کا معمولی اور مسلمان ہے جس کی گالیوں اور لاٹھیوں پر دنیا کے ہزاروں بادشاہ اپنے زر و جواہر نثار کریں گے اور پھر انہیں حسرت رہ جائے گی کہ حق ادا نہ ہوا۔

غرض کہ یہ مجلس یوں ہی ختم ہو گئی۔ اور کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

حضرت ابوذر پر حضرت عثمانؓ کی بدگمانی اور اس کی صفائی

اس مجلس سے آپ اس وقت تو اٹھ کر چلے آئے لیکن اس کے بعد ایک سخت حادثہ پیش آیا۔ یعنی جن دنوں حضرت ابوذر شام سے مدینہ آئے اُسی زمانہ میں عبداللہ بن سبا یہودی سفہ الامت مسلمانوں کی صورت میں ظاہر ہو کر بغاوت و سازش کی اندرونی تحریکوں میں مصروف ہو چکا تھا۔ بلکہ ابن خلدون وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جب شام ہی میں تھے اسی وقت سے وہ اس فکر میں اسلامی شہروں کی سیر کر رہا تھا۔ اور مختلف صحابہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف

ٹ یہ کہا کہ [illegible] اور نفاق [illegible] نے کہا کہ [illegible] عہد عثمانی [illegible] ایک [illegible] سازشی ایک جال بچھایا۔ [illegible] حضرت مرتضیٰ [illegible] دیکھو [illegible]

ابھارنے کی کوشش میں سرگرم تھا۔

اس فتنے کی مفصل کیفیت اقتباس میں بعنوان "یہودیوں کی زبردست سازش اسلام میں" کے عنوان سے مدت ہوئی فقیر ہی لکھ چکا ہے۔ اس لیے میں اس کو یہاں پھیلانا نہیں چاہتا۔ تفصیلی طور پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ کو اس فتنے کا گو علم اس وقت نہ ہوا۔ لیکن اجمالی طور پر آپ کو اتنا ضرور معلوم ہوگا تھا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہماری طرف سے بددل و بدگمان ہو رہی ہے

اور واقعہ یہ ہے کہ جس وقت آپ کو یہ علم ہوا تھا یقیناً اسی وقت آپ خلافت سے ہو سکتا تھا کہ دست بردار ہو جاتے لیکن خدا کی مرضی یہ نہ تھی خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس محبوب صحابی اور عزیز داماد کو وصیت کی تھی۔

"اے عثمان شاید خدا تعالیٰ تم کو ایک قمیص پہنائیں گے۔ پس اگر منافقین (یعنی عبد اللہ بن سبا و تباعہ) تیرے بدن سے اس قمیص کو اتارنا چاہیں تو دیکھو تم خود اس کو کبھی نہ اتارنا۔ حتیٰ کہ مجھ سے آکر ملو۔" [1]

ظاہر ہے کہ اس قمیص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد خلافت تھی۔

اس صورت میں ان کی کیا مجال تھی کہ اس وصیت نبویہ کے بعد بھی آپ عبد اللہ بن سبا کی ان ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر فقط اپنی زندگی کو مطمئن بنانے کے لیے سریر خلافت چھوڑ دیتے۔ دیوانے ہیں جو ایسا سمجھتے ہیں آسمان زمین پر گر جاتے یا زمین پھٹ کر دنیا کو نگل جاتی اس وقت بھی عثمان جیسے مطیع و فرماں بردار غلام سے یہ ناممکن تھا کہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] ترمذی ج

زبان مبارک سے سنے ہوئے کلمات کی خلاف ورزی کرے۔

یہ ہو نہیں سکتا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کا یہ عقیدہ جزو ایمان تھا کہ مضرت وہی مضرت ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مضرت و نقصان خیال فرمایا۔ اور فائدہ بھی صرف وہی فائدہ ہے جسے حضورؐ نے فائدہ سمجھا ہو۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی امید ہی بوالہوسی ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جن کی آنکھوں نے آفتاب رسالت کے سامنے مصالح وقتیہ کی چراغوں کو کبھی نہیں دیکھا اور نہ دیکھنا چاہا۔ ان کی زبان میں جب کبھی جنبش ہوئی تو انہیں لفظوں کے ساتھ ہوئی۔

"کہ مجھ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عہد لیا ہے
اور میں اس پر صبر کے ساتھ قائم ہوں اور رہوں گا" [1]

اور آخر یہی ہوا کہ صرف اپنے آقا کے پاس عہد میں سمجھ کر اور جان ایک جلیل القدر رئیس عرب نے بعد بیکسی قرآن کے اوراق پر اپنے پاک لہو کو بہا دیا اور خوشی سے بہا دیا فرضی اللہ عنہ

رفتیم با غمت دل پرخوں گذاشتیم — جان با سپیدہ گاہ تو در خوں گذاشتیم

ہوا و ہوس کے پھندوں میں گرفتار ہونے والوں کا کیا جواب ہے جو عشق و سرمستی کی چاشنیوں سے محض نابلد ہوں، وہ کیا جانیں کہ کیا کرنا چاہیے تھا اسکو نہیں کرنا چاہیے تھا جس نے لطف نیاز اٹھایا ہو ہمیشہ اپنا لطف اے اقبال ع

اندیشہ زیاں و غم سود شستہ ایم

رکھا ہوا مجھ میں نہیں آتا کہ پھر اس کے مقابلہ میں نفع و ضرر کی داستانوں کو دہرا کر بیہودہ ہذیانوں سے اپنے اوراق سیاہ کرنے کے کیا معنی ہیں؟

---

[1] ترمذی ۱۲

علاوہ اس کے کون کہتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے استعفا کے بعد عبد اللہ بن سبا کی سازشوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ کیا عبد اللہ عثمان کا دشمن تھا جو اس کی امید لگائی جاتی ہے جس کی بیخ کنی کے وہ درپے تھا وہ تو حضرت عثمانؓ کے بعد بھی باقی رہتا اور رہا۔[1]

خیر یہ تو ایک ضمنی بحث تھی دل دکھا ہوا ہے اس لئے قلم رکتا نہیں

میرا مقصود یہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کے کان میں ان خفیہ چہ میگوئیوں کی بھنک پہنچی تو فطرتاً آپ اس کا پتہ لگانے لگے کہ کون کون لوگ اس فتنہ میں شریک ہو رہے ہیں۔

میں ابن خلدون کے حوالے سے لکھ چکا ہوں کہ مفسدوں کی ایک جماعت شام میں حضرت ابوذر کے پاس پہنچی تھی۔ اور آمادہ بغاوت کرنا چاہا[2] تھا۔ ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ کو اس کی خبر ہو گئی ہو۔

ادھر مناظرہ کا ایک ناگوار واقعہ اور پھر شام سے ان کو یکایک مدینہ بلوا لینا۔ یہ چند باتیں ایسی پیش آگئیں کہ آپ کو حضرت ابوذر سے بھی کچھ بدگمانی ہو گئی۔

ممکن ہے کہ آپ نے اس خطرہ کا تذکرہ کسی کے سامنے کیا ہو۔ بہر کیف کچھ ہو۔ حضرت ابوذر کو کسی طرح سے یہ خبر مل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہماری طرف سے بھی بدگمان ہیں۔

---

[1] حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے [illegible] حضرت علیؓ [illegible] جنگ جمل [illegible] صلح ہو جاتا تھا [illegible] اور [illegible] مسلمانوں کی [illegible] جماعت سے [illegible] فساد بھڑک [illegible]

[2] ابن خلدون نے [illegible] کہ شام میں [illegible] حضرت ابوذر [illegible]

یہ سنتے ہی آپ کو جلال آگیا۔ اسی وقت آپ اٹھے اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کو لے کر سیدھے آستانہ خلافت کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ پر اس کیفیت کے سننے سے ایک ایسی کیفیت طاری ہو گئی تھی کہ گویا مدہوش ہو رہے تھے۔ حتیٰ کہ جب دروازہ سے مکان خلافت میں جانے کی کسی کو اجازت نہ تھی آپ دروازے بند ہوتے ہی اسی میں گھس گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آپ کو اس طرح آتے ہوئے دیکھا تو یکایک آپ پر خوف طاری ہوا۔ جو خطرہ ابھی تک ظن و گمان کی حد تک محدود تھا اس نے یقین کی شکل اختیار کی۔

لیکن فطری وقار و تمکنت نے بظاہر آپ کی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہیں کیا جس طرح جلوس فرما تھے اسی طرح بیٹھے رہے۔

اتنے میں حضرت ابوذر قریب پہنچ گئے۔ اور سامنے آ کر فرمایا السلام علیکم اور قبل اس کے کہ کچھ مزاج پرسی کریں گھبرائی ہوئی آواز میں آپ نے کہا۔

احسبتنی منھم یا امیر المومنین

کیا آپ مجھے بھی ان لوگوں میں گمان کرتے ہیں جو کہ منحرف ہیں یا اے مسلمانوں کے امیر!

اور اس کے بعد اس زبان نے جس سے زیادہ سچی زبان آسمانوں اور زمین کے درمیان اور کوئی نہ تھی اس طرح اپنی برات شروع کی۔

بقسم خدا کی نہ میں ان لوگوں میں ہوں اور نہ ان کو جانتا ہوں کہ یہ لوگ کیا ہیں انکی علامت تو گھٹے ہوئے سر ہیں وہ دین سے اس طرح نکلیں گے جس طرح شکار کو تیر توڑ کر نکل جاتا ہے

۱؎ جنات ،، ۲؎ چونکہ تفصیل سے پہلے آپ کو بھی اس کا علم نہ تھا صرف شام میں ایک مرتبہ کچھ لوگ کچھ کہاں سنے تھے اور وہ بھی ضبط سے ہوئے تھے کہ ہے یا نہیں۔ بہرحال آپ کو علم اس فتنے کے متعلق صرف اتفاقیہ

ابوذر کی برأت کے لیے یہ الفاظ غصہ تھا جب وہ قسم کے ساتھ ہوں سب کافی تھے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو غلط فہمی اس وقت آپ کے دل میں تھی اس نے بس کرنے نہ دیا آپ کو فکر اور سخت فکر دامن گیر ہو گئی تھی کہ حضرت عثمان کے دل سے یہ خیال کسی طرح مٹ جائے۔

اس وقت کی بے چینی ٹھیک اس بے چینی کے مشابہ تھی کہ کسی کا محبوب کسی سے بدگمان ہو گیا ہو اور شیدائے جانباز سر پر پاؤں رکھ کر ہر ایک ممکن عمل ذرائع سے اس کی تشفی کرانا چاہتا ہو اگرچہ وہ ان احباب کی نزاکتوں کا خیال کر کر کے مکرر التماسوں اور التجاؤں سے اپنی صفائی پیش کر رہا ہو۔

حضرت عثمان بیٹھے ہوئے ہیں اور ابوذر کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے ہیں

"آپ اگر مجھے حکم دیں کہ پالانوں کی لکڑیوں میں لٹک جاؤں تو میں سچ کہتا ہوں کہ اسی وقت لٹک جاؤں گا اور لٹکا رہوں گا جب تک آپ ہی اس کے چھوڑنے کا حکم نہ دیں اگرچہ یہ ایک خوف کام ہو گا لیکن آپ کی خاطر داشت مجھے اس درجہ منظور ہے کہ نفع ونقصان کا خیال دماغ میں آ ہی نہیں سکتا اسی طرح اگر آپ فرمائیں کہ کھڑا ہو جاؤں میں کبھی نہیں بیٹھوں گا جب تک آپ ہی حکم نہ دیں۔" (فتح الباری)

مورخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اٹھے اور ہاتھ پکڑ کر آپ کو اپنے پاس بٹھایا۔ ونعم ما قیل ؎

ملتے ہی آنکھ رنج نہ تھا رشک غیر کا ‖ کیا جانے اس نگاہ نے سمجھا دیا ہے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ہی نہ تھا جب نہ حضرت عثمان کو کچھ کہ الفاظ ہی ... نہیں کہہ سکتے" (طبقات ابن سعد)

سلہ یہ تمام واقعات طبقات ابن سعد سے ماخوذ ہیں۔

طبقات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد دیر تک دونوں میں کچھ سرگوشیاں بھی ہوتی رہیں حتیٰ کہ کبھی کبھی آواز بلند بھی ہو جاتی تھی[۱]

آخر جب یہ مجلس راز و نیاز ختم ہوگئی اور خدا جانے کن باتوں پر ہوئی کہ ادھر حضرت عثمانؓ کا سینہ بھی اسرار نبوت کا گنجینہ تھا۔ ادھر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ پوچھنے والوں سے فرمایا کرتے تھے کہ کیا پوچھنا چاہتے ہو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار دریافت کرنا چاہتے ہو تو میں کبھی نہیں بتا سکتا[۲]

جہاں دونوں طرف یہ حال ہو وہاں راز تنہائی رسائی اور وہ بھی سرگوشیوں کے موقع پر جو کچھ ہو سکتی ہے وہ معلوم ہاں! طبقات ہی سے اس قدر اور بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد جب حضرت ابوذرؓ نکلے تو باچھیں کھلی ہوئی تھیں اور مسکراتے ہوئے باہر نکلے لوگوں نے پوچھا بھی کہ امیر المومنین اور آپ سے کیا باتیں ہوئیں لیکن آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا صرف اس قدر فرماتے ہوئے روانہ ہوگئے۔

> میں کہ سننے والا فرمانبردار ہوں اگر مجھے وہ حکم دیں گے کہ تم عدن یا صنعاء چلے جاؤ اور مجھ میں طاقت چلنے کی باقی رہے گی تو میں اسی وقت چلا جاؤں گا[۳]

مدینہ سے کوچ اس کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کو بھی چھوڑ دیا لیکن کیوں چھوڑا۔ عام مورخین تو لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جلاوطن کر دیا تھا مگر اس باب میں سب سے زیادہ موثق کتاب

---

۱ طبقات ابن سعد صفحہ ۱۶۳ ج ۴ ۱۲ ۲ ایضاً ۱۲

۳ طبقات ابن سعد ۱۲

طبقات ابن سعد سے علاوہ بہت سی خصوصیتوں کے سب سے بڑی خصوصیت اس میں یہ ہے کہ طبقات صحابہ میں سب سے پہلی اور قدیم کتاب ہے بعد اوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے عموماً اسی کے رہین منت ہیں اس لئے میں اس وقت جو کچھ لکھوں گا اسی سے لکھوں گا

طبقات میں مختلف روایتیں ہیں لیکن یہ کسی میں نہیں ہے کہ حضرت عثمان رضؓ نے ابوذر کو جلاوطن کردیا تھا حالانکہ یہ ایک اہم واقعہ ہے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ابن سعد کو اس کی خبر کیوں نہیں ہوئی اور متاخرین اس پر کہاں سے مطلع ہوئے لیکن تھانہ والے چوروں کو پہچان لیتے ہیں۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ روایت اسلامی تاریخوں میں کہاں سے داخل ہوئی اور کس غرض سے داخل ہوئی۔ آہ! کہ عبد اللہ بن سبا مسلمانوں کے ہاتھوں پر نہایت احتیاط سے بیٹھا اور اس نے وہ کام کئے جو اس کے جدی شیخ کو بھی نہ سوجھی۔

لمثل هذا يذوب القلب — اسی قسم کے واقعات سے رنج و اندوہ بڑھ کے
من كمد ان كان في القلب — خوب مجمل ہے تعجب ہے کہ ان میں اسلام ہو گیا
ایمان و اسلام — اور ... بھی شامل ہو۔

بہرکیف ابن سعد نیز امام بخاری کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر مدینہ منورہ میں لوگوں کا ہجوم بہت زیادہ ہونے لگا۔ حتیٰ کہ آپ کے مشاغل میں حرج واقع ہونے لگا۔ آخر اس کا تذکرہ حضرت عثمان رضؓ سے کیا اور خواہش ظاہر کی کہ میں مدینے سے چلا جانا چاہتا ہوں اس پر حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا۔

"کہ تم ہمارے پاس رہو تو (یعنی جب ہمارے پاس رہو گے تو لوگ خواہ مخواہ تنگ نہیں کریں گے) شیر دار اونٹنیاں صبح و شام آپ کے

پاس آیا کریں گی[1]

لیکن آپ کا اصرار بڑھتا رہا فرمایا۔ مجھے دنیا کی ضرورت نہیں (یعنی اونٹوں کی ضرورت نہیں ہے) بلکہ مجھے آپ اجازت ہی دے دیں اور وجہ بھی ظاہر تھی کہ آخر مسجد نبوی میں نماز کے لئے تو ضرور جاتے مدینہ اس زمانہ میں دار الخلافۃ اکبری تھا، لاکھوں آدمیوں کا اجتماع رہتا تھا۔ جس وقت ابوذر نکلتے خواہ مخواہ لوگ پیچھے پڑ جاتے، جیسا کہ دنیا کی اس وقت بھی یہی عادت ہے کہ اس قسم کے بزرگوں کے پیچھے عوام بے تحاشہ دوڑتے پھرتے ہیں بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ مدینہ کی آبادی شام تک پھیل گئی ہے۔ اور اس حالت میں مجھے یہاں رہنے کا حکم نہیں[2]

آخر حضرت عثمانؓ نے مجبور ہو کر فرمایا کہ۔

ان شئت تغیبت فکنت قریبا | اگر تم یہی چاہتے ہو تو پھر مدینہ کے کسی ناحیہ میں چلے جاؤ تاکہ قریب رہو۔

اس پر آپ نے فرمایا کہ۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔

[2] ابن جریر طبری نے یہ آخری وجہ ذکر کی ہے۔ انساب الاشراف بلاذری میں گو بعض نہایت مکروہ واقعات نقل کئے ہیں، حضرت عثمان جیسے حیا پسند انسان کی جانب ایسی فعل کا یہاں منسوب کی گئی ہیں جنہیں تنہا بھی کوئی شریف آدمی اپنی زبان سے نکال نہیں سکتا۔ لیکن غنیمت ہے کہ اسی کتاب میں مدینہ کے جلیل تابعی حضرت سعید بن مسیب کا قول بھی نقل ہو گیا ہے یعنی سعید نے انکار کیا کہ حضرت ابوذر کا اخراج عمل میں آیا تھا، حضرت نے فرمایا ما اخرج ابوذر ولکن راغباً ان یکتسا یعنی حضرت ابوذر خود بدوی تھے، جنگل کے دلدادہ تھے اپنی خواہش سے گئے تھے، ظاہر ہے کہ سعید بن مسیب سے زیادہ قوی شہادت اور کس کی ہو سکتی ہے۔

ائذن لی ان اخرج الی الربذة ۔ | آپ اجازت دیجئے تاکہ میں ربذہ چلا جاؤں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ اچھا آپ وہاں جا سکتے ہیں۔ میں بیت المال سے کچھ اونٹنیاں کو دودھ کے لئے آپ کے پاس بھیج دوں گا۔[1]

لیکن حضرت ابوذرؓ کی غنی طبیعت نے اس کو قبول نہیں کیا بلکہ قریش کے نوجوان جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے ان کو مخاطب کرکے آپ نے فرمایا۔

دونکم معاشر قریش دنیاکم	اے قریش! یہ دنیا تم لو اور اسے خوب نوچو
فاعذموها لاحاجة لنا فيها۔	کھاؤ ہمیں اس کی کوئی ضرورت و حاجت نہیں۔

یہ فرما کر آپ حضرت عثمان سے رخصت ہوئے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ زہد و بے نوائی کا جو کامل نمونہ تھا محمدی معیت کا وہی مظہر اتم اپنی آخری زندگی گزارنے کے لئے اسی صحرا کی طرف روانہ ہو گیا جہاں سے پھر کہیں منتقل نہیں ہوا۔

ربذہ ذات عرق سے جو منزل کہ مشہور ہو گئی تھی ٹھیک اسی کے کنارے ربذہ ایک مختصر سے گاؤں کی صورت میں آباد تھا اور مدینہ منورہ سے کل تین منزل دور تھا۔

اصمعی فرمایا کرتے تھے کہ لوگ نجد کا تذکرہ کرتے ہیں اس کے خواجہ کی روح پرور نسیم پر سر دھنتے ہیں حالانکہ نجد کا سب سے عمدہ قطعہ شرف ہے جسے میں نجد کا جگر سمجھتا ہوں اسی خطہ شرف میں ربذہ بھی شامل تھا۔ شرف میں جو خاص سرکاری رکھت تھی ربذہ اسی کے داہنے جانب پر واقع تھا[2] حضرت ابوذرؓ کی زندگی جس طرز کی ہو گئی تھی حقیقت یہ ہے کہ اس کے

---

[1] ابن سعد۔

[2] مرسوم بعض مؤلفین نے لکھا ہے کہ یہ قریہ شرف میں ہے ... دیکھو معجم البلدان

مناسب رہے۔ اس سے زیادہ موزوں مقام مدینہ منورہ کے نواح میں مشکل ہی میسر آسکتا تھا ع جامہ بود کہ بر قامت او دوختہ بود۔

کائنات کے بادشاہ کا روضۂ پاک بھی سامنے تھا، اور جس قسم کے فتن اور مفاسد کا زمانہ آرہا تھا اس سے بھی آپ کو گویا علیحدگی ہوگئی جس کی وصیت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کی تھی۔ حضرت ابوذر ہی راوی ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیت

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا | جو شخص کہ خدا تعالیٰ کے غضب سے ڈریگا

ویرزقہ من حیث لا یحتسب | [illegible] مشکلات [illegible]

بار بار تلاوت فرما رہے تھے حتیٰ کہ اخیر میں آپ پڑھتے پڑھتے تھک گئے گویا آپ پر غنودگی سی طاری ہو گئی، عین اسی حال میں آپ نے اس طرح گفتگو شروع کی۔ ابوذر! اگر تم مدینہ سے نکالے گئے تو کہاں جاؤ گے

حضرت ابوذر: میں تلاش رزق اور فراخیٔ معاش کے لئے مکہ کے کبوتروں میں شامل ہو کر

(کوئی کبوتر بن جاؤں گا یعنی مکہ چلا جاؤں گا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: اگر وہاں سے بھی تم کو نکلنا پڑا تو پھر کہاں جاؤ گے

حضرت ابوذر: شام کی پاک و مبارک سرزمین کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: اگر وہاں سے بھی نکلے۔

حضرت ابوذر: پھر تلوار اپنے کاندھے پر اٹھاؤں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: نہیں ایسا نہ کرنا۔ فرمانبرداری اور اطاعت کرنا اگرچہ

کوئی حبشی غلام ہی تم پر حاکم کیوں نہ ہو جائے (ملخصاً مسند احمد)

پس انہوں نے ایسا ہی کیا فساد و جدال کا زمانہ آنکھیں دکھا رہا تھا عبداللہ بن سبا جو شعلہ مصر کے آتش دان سے بھڑکا رہا تھا اس کی گرمی مدینہ منورہ میں بھی محسوس ہو رہی تھی ایسے وقت میں حضرت ابوذرؓ نے عزلت گزینی پر عمل کیا تو درحقیقت یہ حضور ہی کے ارشاد کی تعمیل تھی! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس فساد کی خبر دے چکے تھے!

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے حضرت ابوذر کو مخاطب کر کے ایک دن فرمایا۔

یا اباذر ارأیت ان قتل الناس بعضهم بعضا حتی تغرق حجارة الزیت من الدماء کیف تصنع قال اللہ ورسوله اعلم قال تقعد فی بیتك و اغلق علیك بابك قال فان لم اترك قال فائت من انت منهم فکن فیهم قال فآخذ سلاحی قال اذا تشارکهم فیما هم فیه ولکن ان خشیت ان یروعك شعاع السیف فالق طرف ردائك علی وجهك حتی یبوء باثمه واثمك۔

اے ابوذر تم کیا کرو گے جب آپس ہی میں ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیں گے حتی کہ اس قدر خون بہایا جائے گا کہ حجارۃ الزیت (مدینہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے) کی زمین خون میں غرقاب ہو جائے گی۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں کہ اس وقت کیا کرنا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھر بیٹھ جانا اور دروازہ بند کر لینا۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ اگر وہ ہمیں نہ چھوڑیں! آپ نے فرمایا تب جن لوگوں سے تم ہو ان کی جماعت میں آ کر مل جاؤ۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا تو کیا میں ہتھیار اٹھاؤں گا؟ حضور نے فرمایا اس وقت تم بھی فتنہ میں شریک ہو جاؤ گے (یعنی ایسا نہ کرنا) اور اگر تم کو تلوار کی چمک سے

> خود معلوم ہوتا اپنی چادر کے پلے سے سر
> ڈھانک لیا تاکہ تم پر حملہ کرنے والا تھا اور
> اپنا گناہ لے کر واپس ہو۔

کس قدر سیاہ اور ناپاک الزام ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ربذہ میں نظر بند کر دیا تھا؟ حالانکہ واقعہ جو کچھ بھی گزرا تم سن چکے۔ اور آئندہ بھی تمہیں معلوم ہوگا۔ خود حضرت ابوذر سے بعض لوگوں نے آکر پوچھا کہ تم ربذہ کس طرح تشریف لائے اور کیوں آئے؟ اس کے جواب میں آپ نے اجمالی طور پر واقعات کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے۔

> کہ میں شام میں تھا، وہاں مجھ میں اور معاویہ میں آیت والذین یکنزون الآیۃ میں اختلاف ہو گیا۔ معاویہ کہتے تھے کہ یہود و نصاریٰ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور میں کہتا تھا کہ ہماری اور ان کی دونوں کی شان میں ہے۔ اس پر بات بڑھ گئی۔ انھوں نے حضرت عثمان کے پاس میری شکایت کر دی (حالانکہ حضرت معاویہ کو اخراج کا اختیار خود بھی حاصل تھا مگر فیصلہ عثمان پر چھوڑا تھا) عثمان نے مجھ کو لکھا کہ مدینہ چلے آؤ میں چلا

ے ابوداؤد کی عنقل ہے کہ حضرت عثمان سے کہنے لگا۔ ابوذر ربذہ آپ نے ہجرت فرما دیا۔ ہم کو ہوشمندی کے ساتھ نصاریٰ کی اگر چھوڑ رہے ہیں تو میرے کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔ ہم ابوذر کی بہادری وشمشیر کو خوب جانتے ہیں۔ مسلمان ہوتے ہیں ان کو سبقت کا جو شرف حاصل ہے اس سے بھی خوب واقف ہیں۔ ہم لوگ (یعنی مسلمان اشرف تھا) ابوذر سے زیادہ کسی کو شوکت و عزت کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔ اصل الفاظ یہ ہیں ما کنا نعد فی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر شوکۃ منہ۔ ابوداؤد صفحہ ۵۰

آگیا یہاں لوگوں کا اس قدر ہجوم مجھ پر ہونے لگا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انھوں نے اس سے پہلے مجھ کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ عثمان سے اس بات کا تذکرہ کیا گیا انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر جی چاہے تو آپ ربذہ چلے جائیں تاکہ قریب بھی رہیں (یعنی لوگوں کی بھیڑ سے نجات بھی مل جائے اور ہمارے قریب بھی رہیں گے) بس فقط اتنی بات مجھے یہاں لائی ہے۔"[1]

آپ کا یہ بیان اگرچہ بہت مجمل ہے جس کی تفصیل بھی میں آپ کے ہی دوسرے بیان سے کر چکا ہوں میری غرض صرف اس قدر ہے کہ آپ خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب الزام نہیں لگاتے تھے تو دوسروں کو کیا حق ہے کہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن امانت پر اس واقعہ کا داغ قائم کریں۔

کس قدر عجیب ہے کہ اگر کسی سیاسی مصلحت سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو مدینہ سے الگ کیا ہوتا۔ تو پھر ربذہ میں کیوں رہنے کا حکم دیتے مدینہ اور ربذہ میں فاصلہ ہی کتنا تھا، علاوہ اس کے ربذہ ایک ایسا مقام تھا جہاں سے ہر سال عراق کے مسافر لاکھوں کی تعداد میں گذرا کرتے تھے، اور حاجیوں کی گویا وہ فرودگاہ بھی تھی۔ ایسے مخدوش آدمی کو ایسی گذرگاہ پر قید کرنا، کس قدر قرین عقل و دانش ہو سکتا ہے۔ خیر یہ تھا۔ جب ارباب تاریخ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ربذہ میں سکونت اختیار کرنے کے بعد بھی کان ابوذر یتعاھد المدینۃ مخافۃ ان یعود اعرابیا [illegible] (یعنی مدینہ منورہ حضرت ابوذر اس لئے آتے جاتے رہتے تھے کہ کہیں گاؤں میں رہنے سے ان کے اندر دہقانیت

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۴

اور بداوت نہ پیدا ہو جائے) اور پھر تو یہ ہے کہ شام کی چھاؤنی میں جب وہ تھے اس وقت بھی جب ان سے صبر نہ ہو سکتا تھا بھاگ بھاگ کر اپنے محبوب رسول پاک کے روضہ کی زیارت کو آتے رہتے تھے، خلیفہ وقت سے رخصت حاصل کرکے تب حضور کی مجاورت کرکے اپنی مضطرب روح کے سکون کا سامان پیدا فرماتے رہتے تھے تو مدینہ سے اتنی نزدیک جگہ ربذہ میں رہ کر ان سے صبر کی کیا توقع ہو سکتی تھی۔ اعرابی اور دیہاتی ہو جانے کا اندیشہ یہ بھی ایک مجذوبانہ لطیفہ تھا۔ دمشق کی سرائیوں کا وہ بھی ایک نام نہاد پردہ تھا۔ حضرت ابوذرؓ سے بعض کتابوں میں یہ فقرہ جو منقول ہے کہ ہجرت کے بعد عثمان نے مجھے پھر اعرابی (دیہاتی) بنا دیا یہ بھی ایک جذباتی لطیفہ ہی ہے دیکھو ابن سعد صفحہ ۱۶۵۔

حقیقت یہ ہے کہ دجاجلہ وضاعین الحمد للہ کہ اس قدر غبی اور بے حافظہ ہوتے ہیں کہ باتیں ضرور بناتے ہیں لیکن اس درجہ خام اور بودے ہوتے ہیں[1] کہ چند جرحوں میں ان کی کل دروغ بافیوں کے تار پود بکھر جاتے ہیں

فلعنة الله على الكاذبين۔

بہرکیف یہ معاملہ اس درجہ بدیہی اور صاف ہے کہ خود جو واقعات

---

[1] یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابوذرؓ اور حضرت عثمانؓ کی باہمی رنجش کے قصوں کا تذکرہ بعد کی تاریخوں میں بہ نسبت ان کتابوں کے جو عہد صحابہ سے زیادہ قریب ہیں، زیادہ کیا گیا ہے بعضوں نے تو حضرت ابوذرؓ کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جن سے [illegible] صحابی ہونے کے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان فرقوں میں سے ایک خاص فرقے کے ماننے والے تھے جو بعد کو اسلام میں پیدا ہوئے ان واقعات کے پڑھنے میں ہمیشہ یہ دیکھنا چاہیے کہ ان کتابوں کا مصنف کسی خاص فرقہ کا تو آدمی نہیں چنانچہ بعضوں نے تو اپنے مسلک کے مطابق باتیں بنا لی ہیں [illegible] [illegible]

آیندہ میں درج کروں گا انشاء اللہ اسی میں ان تمام بیانات کی پوری تردید ملے گی۔

بالفعل میں ربذہ کی آبادی وغیرہ اور آپ نے جس طرح اپنی زندگی وہاں گزاری اس کا خاکہ پیش کرتا ہوں۔

ربذہ کی آبادی

میں بتا چکا ہوں کہ ربذہ شرق نجد کا ایک پرفضا قطعہ تھا جہاں سرکاری رکھت بھی تھی اور یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ ذات عرق سے جو سڑک مکہ کو جاتی تھی اس کے قریب سے وہ واقع تھا مسافروں کی ایک منزل وہاں بھی ہوتی تھی ان ہی وجوہ کی بنا پر ایک معمولی سی چوکی خلافت کی جانب سے وہاں قائم تھی۔ جو رکھت کی حفاظت اور راہگیروں کے امن و امان کی ناظم تھی۔ چوکی پر ایک افسر مقرر تھا اور کچھ اس کے ساتھ عملہ بھی تھا ان ہی سب نے مل ملا کر اس نے ایک گاؤں کی صورت اختیار کر لی تھی۔

حافظ ابن حجر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی بیت المال کے اونٹ وغیرہ یہاں پر چرتے تھے[1] اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی حضرت ابوذرؓ بدویوں کی صحبت کے لئے یہاں کبھی کبھی آکر سکونت پذیر ہوتے تھے۔ ان کا یہ خیال بھی ہے کہ چونکہ اس مقام میں حضرت ابوذرؓ پہلے بھی رہ چکے تھے اور یہاں سے مانوس تھے اس لئے بھی آپ نے اور مقاموں سے اسی کو ترجیح دے کر حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ میں وہیں جاؤں گا۔ بہرکیف جس زمانہ میں آپ یہاں تشریف لائے تو وہاں کے افسر نظم و نسق ایک حبشی غلام مجاشع[2] نامی تھے مردوں کی

---

[1] فتح جلد ۵ ص ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ربذہ کو حمیٰ بنایا تھا۔ [2] تاریخ طبری

آبادی تقریباً بارہ تھی۔ کچھ عورتیں بھی تھیں جن کی صحیح تعداد مجھے معلوم نہ ہو سکی ان لوگوں کے لئے خلافت کی طرف سے ایک مسجد بھی بنوا دی گئی تھی بعض نے لکھا ہے کہ مسجد حضرت ابوذر ہی نے وہاں بنوائی تھی۔

ربذہ کا قیام سامان زندگی

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سالانہ وظیفہ دربار خلافت سے چار ہزار درہم تقریباً نو سو روپیہ مقرر تھا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے ساتھ بھی ارادہ کیا تھا کہ چند شیردار اونٹنیوں کو آپ کے لئے خاص کر دیا جائے لیکن جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو آپ نے لینے سے خود ہی انکار کر دیا۔ پس مستقل آمدنی یا سرمایہ جو کچھ بھی ان کے پاس تھا اس سے آپ نے مختصر سامان خریدا تھا جس کی تفصیل یہ ہے۔ ۲۰ گدھیاں، چند گدھے، چند اونٹ سواری اور پانی لانے کے لئے، کچھ بکریاں جن کی تعداد مجھے معلوم نہ ہو سکی دو غلام ایک چھوکری۔ جبری میں ہے کہ سرکاری مال جو ربذہ میں تھے حکومت کی طرف سے روزانہ ان کے لئے چند اونٹ ذبح ہوتے تھے اور حضرت ابوذر کو بھی اس سے ایک حصہ ملتا تھا (صفحہ [illegible])

وہاں بھی مکان حسب دستور آپ نے اینٹ مٹی کا نہیں بنایا۔ بلکہ

لہ طبری کا قول ابن سعد سے ہے کہ [illegible] صحابہ [illegible]
[illegible] لہ [illegible] حضرت ابوذر کی [illegible]
نے اپنی کتاب دول الاسلام میں لکھا ہے کہ سالانہ عطا حضرت ابوذر کی چار ہزار درہم [illegible]
کی [illegible] بہت زیادہ [illegible] ہے دیکھو مختصر دول الاسلام ذہبی [illegible]
[illegible] کا بیان [illegible] لیکن طبری [illegible] ہے کہ اونٹ [illegible]
[illegible] آپ کے [illegible] حضرت عثمان [illegible] ساتھ کر دئے تھے

ایک جھونپڑا ڈال لیا تھا۔ قریب ہی میں آپ نے ایک تالاب بھی بنوا لیا تھا جس میں برسات کا پانی جمع ہو کر ذخیرہ ہو جاتا تھا آنے جانے والے مسافر اور ان کی سواری کے جانوروں کا کام بھی اس تالاب کے پانی سے چلتا تھا اور ربذہ میں جس زمین پر آپ کاشت کرتے تھے اس کی سیرابی اور جو نخلستان تھا اس کی بھی سیرابی اسی سے ہوتی تھی۔ بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ حضرت ابوذر کے ساتھ دوسرے مشہور کاشتکار صحابی رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مدینہ چھوڑ کر ربذہ میں آ بسے تھے۔ البلاذری نے اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ان دونوں نے کوئی بات سنی تھی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنی تھی جس کی تشریح پورے طور پر تو ان سے نہیں کی گئی تھی لیکن دونوں کی سمجھ میں بھی آیا اور ربذہ آنے پر دونوں متفق ہو گئے جیسی معلوم۔ میرا خیال ہے کہ وہ قصہ [illegible] اور باغبانی کے اس ذوق نے جسکے ربذہ میں حضرت ابوذر کے اندر ہم پاتے ہیں اس میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خاندانی ذوق کو بھی غالباً دخل تھا کیونکہ انہی کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے خاندان سے زیادہ [illegible] مدینہ میں اور کوئی کھیتی

اہل و عیال

بہرحال ربذہ میں آپ کے ساتھ ایک تو آپ کی حرم محترمہ اور دوسری آپ کی صاحبزادی صاحبہ تھیں کیونکہ بچے تو بہت پیدا ہوئے لیکن کم سنی میں وفات پا گئے حلیہ میں ابونعیم نے بچوں کے مرنے کے متعلق آپ کا ایک عجیب فقرہ نقل کیا ہے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ ابوذر آپ کے بچے زندہ کیوں نہیں رہتے آپ نے فرمایا۔

الحمد لله الذي يأخذهم في دار الفناء ويذخرهم في دار البقاء	شکر ہے اللہ کا جس نے ان بچوں کو اس فانی گھر میں لیا اور باقی رہنے والے گھر کے لئے ان کو ذخیرہ بنایا

"شاکر" ہر حال میں شکر کا مقام حاصل کر لیتا ہے" اور صبر تو اپنے تمام شرائط کے ساتھ وہ اپنی جگہ پر قائم ہی ہے۔ اولاد کے لیے لوگوں نے آپ کو دوسری بیوی کرنے کا بھی مشورہ دیا لیکن راضی نہ ہوئے۔ آخر عمر میں آپ کا خاندان ان ہی دو افراد تک رہ ... بیوی اور بیٹی، اور خود آپ کی ذات سے عبارت تھا۔

الغرض ربذہ کی وادی میں ایک مدت تک نہایت کامل عزلت کی زندگی انھیں سامانوں پر گزار رہا تھا۔ اور خوش تھا کہ دنیا کے تمام جھگڑوں سے نجات مل گئی تھی۔ شہروں کے شور و غوغا سے الگ ہو کر روحانی سکون کی لذت اندوزیوں میں باطمینان مصروف تھا۔ سطحی نگاہوں میں گو موجودہ حالت مسکنت و افلاس کی تھی لیکن ژرف نظروں سے پوچھیے ان سے دریافت کرو جو کسی کی نرگس مست کی غلامی کر چکے ہوں اور کسی کے بادۂ لعل سے دل و جاں کو خراب کر چکے ہوں کہ وہ کیفیت کیا ہیں۔

غلام نرگس مست تو پادشاہانند — خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند

بہر حال فقیری میں آپ کے پاس جو کچھ تھا اوروں کے نزدیک وہ کافی ہو یا نہ ہو لیکن ان کے غنی دل نے ہمیشہ اس کو کافی خیال کیا۔

شام کے گورنر حبیب بن مسلمہ نے ایک دفعہ آپ کی خدمت میں تین سو اشرفیاں بھیجیں اور کہلا بھیجا۔

استعن بھا علی حاجتک — اپنی ضرورتوں میں ان سے مدد لیجیے

لیکن حضرت ابوذر نے قاصد کو جواب میں کیا کہا۔

"... اشرفیاں لاؤ اور ان کو اسی حبیب کے حوالے کر دینا اور کہنا کہ کیا ان کو مجھ سے زیادہ غریب آدمی نہیں ملتا تھا۔ خدا کے فضل سے میں ایک سائبان رکھتا ہوں جس کے سایہ میں آرام کرتا ہوں

بکریوں کے ایک گلے کا بھی مالک ہوں جو دن بھر چر کر شام کو میرے
گھر آجاتی ہیں اور دودھ کی ان کی وجہ سے بہت بہتات ہو جاتی ہے،
ایک کنیز بھی ہے جو میرے کام کاج میں ہاتھ بٹاتی ہے۔ اس کے
بعد [illegible] ... [1]

یہی اس باطنی سعادت اور روحانی دولت پر آپ کو اتنا ناز تھا کہ کبھی کبھی
پھولے نہ سماتے اور فرماتے۔

"تم میں سے مجھ کو وہ [illegible] ... زیادہ محبوب ہے" [2]

نہ صرف دعوی تھا بلکہ عمل اس کی تصدیق کرتا تھا۔ آپ کی روش عمل
شہادت دیتی تھی۔

[illegible] کی مہمان نوازیاں

مسلمان [illegible] کے ساتھ بھی آپ کا
حال یہ تھا کہ [illegible] آپ مسافروں کو اپنے
پاس ٹھیرایا کرتے اور [illegible] ... اپنی وسعت کے موافق خاطر تواضع
کرتے [illegible] اٹھا نہیں رکھتے۔ ایک جلیل القدر تابعی کا بیان ہے کہ

---

[1] حبیب بن مسلمہ [illegible] ... وفات کے وقت ان کی عمر ۳۵ سال کی تھی ... حضرت معاویہ کی [illegible] ... انہوں نے بڑی بڑی کامیاب مہمیں سر کیں ... حبیب [illegible] ... [illegible] ... تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۹۰،

[2] حلیۃ الاولیاء [illegible] ... اس واقعہ کا تذکرہ [illegible] ...

ربذہ میں حضرت ابوذر کے یہاں بہت سے مہمان اترے ہوئے تھے رات کا وقت تھا۔ آپ خود روزے سے تھے اور جس قدر بکریاں تھیں۔ ایک ایک کر کے آپ نے سب کا دودھ خوب چوڑ چوڑ کر نکالا حتی کہ کوئی تھن باقی نہ رہا۔ اس کے بعد گھر سے جا کر کچھ کھجوریں لے آئے۔ جو کچھ دودھ تھا اس کو اور کھجوروں کو لے کر مہمانوں کے سامنے حاضر ہو گئے اور نہایت دردناک لہجے میں آپ نے ان کو سامنے رکھ کر فرمایا "کاش! اس سے بہتر چیز اگر میرے پاس ہوتی تو میں اسے آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتا" مہمانوں کی تعداد چونکہ زیادہ تھی اس لئے نہ تو دودھ ہی کا ایک قطرہ بچا اور نہ ایک کھجور باقی رہی۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رات میں کوئی چیز اپنی زبان پر نہیں رکھی[1] حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صرف یہی نہیں مگر آپ کی یہی عادت تھی۔ طبقات میں ہے کہ عیسیٰ بن عمیلہ الفزاری کہتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے جس نے ابوذر کو دیکھا تھا بیان کیا کہ۔

یحلب غنیمة له فیبدأ بجیرانه	وہ بکریوں کا دودھ نکالتے اور اپنے نفس سے پہلے
واضیافه قبل نفسه ـ ص ۱۶۲	پڑوسیوں اور مہمانوں پر تقسیم کرتے تھے۔

اور وہ واقعہ تو گزر ہی چکا کہ مہمان کو سیر کرنے کی غرض سے آپ نماز میں مشغول ہو گئے جب اس کا پیٹ بھر گیا۔ تب نماز سے فارغ ہو کر اس کے ساتھ شریک ہوئے یہ واقعہ بھی ربذہ ہی کا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملنے کی امید

الحاصل ربذہ میں آپ کی زندگی نہایت بشاشت اور مسرت سے گزر رہی تھی کہ جو آپ کی دلی آرزو تھی۔ وہ یہاں پوری ہو رہی تھی وہ فرصت میسر آگئی تھی کہ

[1] طبقات ابن سعد، جزء ۴ صفحہ ۱۱

جبکہ یک سوئی دل کے ساتھ ع

بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

سے ان کو کون روک سکتا تھا، صاحب "حلیہ"

محمد بن ... راسب سے ناقل ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ خاص کر بغرض بقصد ربذہ اس لئے روانہ ہوا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان مشاغل کو آپ کی حرم محترمہ صاحبہ سے دریافت کروں جن میں ربذہ کی زندگی گزری۔ بیوی صاحبہ نے ان کی مصروفیت کا صرف اس قدر جواب دیا۔

کان النہار اجمع یتفکر | دن بھر فکر و نظر میں گزرتا۔

لیکن توبہ کے ابتدائی ایام میں جو خدا کی مرضی و عدم مرضی کے علم حاصل کرنے سے قبل خود اپنی دل سے رات رات بھر اپنی خود ساختہ نماز پڑھا کرتا ہو اور اتنے انہماک سے پڑھتا ہو کہ آخر میں بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہو، اس کو کیا حال ہوگا اس کا جب وہ سب کچھ جاننے کے بعد وہاں جانے کے لئے تڑپ رہا تھا، جہاں جانے سے سب ڈرتے ہیں امراء بنی امیہ[ف] کے متعلق بھی یہ بھی فرماتے۔

ف امراء بنی امیہ سے مراد دراصل اس مرتبہ پر وہی جتھہ ہے جس نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکلیف سے ناجائز نفع اٹھا کر خود اپنے آپ کو سرمایہ دار کر لیا ہو جیسے یہ پہلو زمانہ کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ایک خاص جتھہ میں مال و دولت کی بدگمانیاں پیدا ہو گئیں جناب ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ مروان، حارث بن حکم بن عاص وغیرہ نے عہد عثمانی میں بڑا جتھہ [illegible] حاصل کئے اور اس سلطنت گیری کے لحاظ سے وہ چند ان [illegible] نہیں رکھتے تھے بلکہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

"مجھے یہ قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں، حالانکہ اب زمین کا پیٹ اس کی
پیٹھ سے مجھے زیادہ محبوب ہے" گویا ع

مجھے ڈراتے ہو موت سے کیا میں زندگی ہی سے ڈر چکا ہوں

اور سچ تو یہ ہے کہ جو زندگی سے ڈر گیا، پھر اُسے کس چیز سے کوئی ڈرا سکتا ہے ؟

پچھلی زندگی آخرت کا خیال۔ فتنہ کے اس عالم خلوت میں آپ پر اس درجہ مسلط تھا کہ آخر میں اس نے تجذب کا رنگ اختیار کر لیا تھا، شاید یہی جذبہ اثر کا نتیجہ تھا جو ابن سعد نے آپ سے نقل کیا ہے کہ کبھی آپ یہ بھی فرماتے کہ میری ڈھیلی ہونے والی ہڈیاں اور سپید ہونے والے بال نا امید نہیں کرتے کہ میں عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات نہ کر سکوں[1]" مطلب یہ تھا کہ گو میرے مرنے کا وقت قریب آگیا ہے لیکن میرے خیال میں قیامت اس سے بھی زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جن کے نزول کی خبر قرب قیامت میں دی گئی ہے، ان سے میری ملاقات ہو جائے۔

الغرض یہاں جو کچھ بھی خیال رہ گیا تھا، وہ آیندہ کا تھا، دنیا والوں سے زیادہ ملاقات ہوتی تھی، نہ ان کے ساتھ کوئی معاملہ پڑتا تھا، البتہ بعض واقعات فتنہ کے بعد بھی پیش آئے جن سے ممکن تھا کہ کوئی فساد پیدا ہو جاتا، لیکن آپ نے جس طرح ان کو ٹالا، وہ اپنے اندر عجیب و غریب نتائج رکھتے ہیں خصوصاً حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمنوں کی ناکیں اس سے داغ دار اور مجروح اس وقت بھی ہوئی تھیں اور اب بھی مجروح ہیں۔

پہلا واقعہ اور اطاعت عثمانی کی پہلی نظیر میں لکھ چکا ہوں کہ فتنہ کے عامل آپ کے زمانہ میں ایک

۱؎ طبقات ج ۴، ص ۱۲

حبشی غلام ابو مجاشع آزادی تھے، جس طرح دنیاوی معاملات ان کے سپرد تھے
جمعہ جماعات کا تعلق بھی ان ہی سے تھا۔ یہ واقعہ گزر چکا ہے کہ حضرت ابوذر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں آکر سکونت فرما ہوئے، تو آپ بھی نماز کے لئے
مسجد تشریف لے گئے۔ جب جماعت کھڑی ہوگئی تو مجاشع بوجہ اپنے غلام
ہونے، اور شرف صحابیت سے محروم ہونے کے، آگے بڑھنے سے رکے
حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا، آگے
بڑھو! جس طرح پہلے نماز پڑھاتے تھے اب بھی پڑھاؤ۔ مقصد اقدس یہ تھا
کہ اگرچہ تم غلام حبشی ہو لیکن جب اولوالامر خلیفہ برحق نے تم کو امیر بنایا
ہے، تو میں بھی تمہیں امیر سمجھتا ہوں، جیسا کہ خود بعد کو آپ نے فرمایا۔

> کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر
> حبشی غلام بھی مجھ پر امیر بنایا جائے تو مجھ پر واجب ہے کہ میں اس کی
> باتیں سنوں اور اس کی فرماں برداری کروں[1]

گویا اس خواب کی تعبیر ربذہ میں آکر پوری ہوئی۔ اور یہ ایک اتفاقی
بات تھی کہ آپ کے ربذہ آنے سے پہلے یہ غلام یہاں کے امیر تھے جیسی کوئی
یہ نہ سمجھ جائے کہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے بعد
اسے وہاں کا حاکم بنا کر بھیجا تھا۔

عہ حبشی کا ربذہ میں ہونا تو خود حضرت ابوذر بھی [illegible] یہی بات کہ وہ کالے
غلام [illegible] ربذہ میں ہونا تھی جس کا جواب خلیفہ وقت کا [illegible] ہم بھی کہہ سکتے ہیں [illegible] عہ
کا تعلق نہیں کرسکتا۔ ممکن ہے کہ اصول حنفیہ پر یہی کہہ یا جائے کہ ربذہ [illegible] کا محل
موضع حل فیہ الامیر فھو مصر؛ [illegible] مجاشع یہاں عامل تھے
[1] طبقات ابن سعد ۱۲

اطاعت کا دوسرا واقعہ

عبداللہ بن سبا کو جب اس کی خبر ملی کہ حضرت معاویہؓ کی شکایت کی بناء پر خلیفہ اسلام نے حضرت ابوذر کو شام سے مدینہ بلوایا اور کعب احبار سے مناظرہ کرایا۔ حتیٰ کہ انہی وجوہ سے اب وہ گاؤں میں جا کر عزلت گزیں ہو گئے ہیں۔ اس کے کارندوں نے اور بھی نمک مرچ ملا کر اس واقعہ کو غلط آب و رنگ کے ساتھ اس کے سامنے ظاہر کیا تو اس کو فوراً خیال گزرا کہ ایسی صورت میں حضرت ابوذر کو حضرت عثمان سے بدظن کرنا آسان ہے، مسئلہ کنز پر نزاع موجود ہے، اسی کو کسی عمدہ صورت میں پیش کر کے ان کو مخالفت پر آمادہ کیا جا سکتا ہے،

چوں کہ ابوذر کا تقدس و ورع عام طور پر مسلمانوں میں مسلم ہے، اور خود اس کے ساتھ ایک بڑا قبیلہ غفار کا ہے۔ کیا عجب ہے کہ ان کو شریک کار بنا لینے کے بعد، ہماری سازش مکمل ہو جائے۔ اور جو آگ میں نے تیار کی ہے اس کے شعلے ابوذر ہی کے ہاتھ سے اسلامی آبادیوں تک پہنچا دے جائیں۔

الغرض اسی قسم کے بیہودہ خیالوں کو سامنے رکھ کر اس نے ایک وفد تیار کیا بقول[1] ابن خلدون، سرخیل وفد خود ہی ہوا۔ کوفہ میں اس مفسد وفد کا نظام مرتب کیا گیا اور یہیں سے تیار ہو کر ان بد باطنوں کی جماعت ربذہ روانہ ہوئی۔ بطور مہمانوں کے یہ لوگ آپ کے دولت خانہ پر آ کر ٹھیرے۔ آخر موقع پا کر ایک شخص نے اس طرح تقریر شروع کی۔

"اے ابوذر! اس شخص (عثمان) نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا کیا، (یعنی آپ کے ساتھ اتنی بدسلوکیاں کیں کہ ہم اس کی تفصیل بھی نہیں کر سکتے) پس کیا آپ تیار ہیں کہ اس کے خلاف میں آپ بغاوت کا پھریرا بلند کریں

---

[1] ابن خلدون ج ۲ ص ۱۳۹ ۱۲

ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ جتنے آدمیوں کی ضرورت آپ کو ہوگی، اس کا پورا انتظام کیا جائے گا، آپ صرف جھنڈا بلند کر دیجئے،،[1]

طبقات میں ان کی تقریر کا صرف اسی قدر حصہ مذکور ہے، لیکن یہ مفسدین جس درجہ شاطر و عیار تھے، اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ جو کچھ نقل کیا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ باتیں انھوں نے کہی ہونگی۔

بہرحال ان کے کان منتظر تھے کہ امید کی صبح بہانے ابوذرؓ کی جنبش سے عنقریب طلوع ہونے والی ہے مگر یہ ان کی بدعقلی تھی، انھوں نے ابوذرؓ کو بھی العیاذ باللہ ان حواس باختوں میں شمار کیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادتوں پر عبداللہ بن سبا کی افترا پردازیوں کو ترجیح دے کر داماد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون سے رنگین قبا ہوئے، یا جو آج ان ہی مختلف روایتوں کے گورکھ دھندوں میں پھنس کر امت اسلامیہ کے سب سے بڑے حیا پرور انسان پر شرمناک حملے کر رہے ہیں ما لھم بہ علم ولا لآبائھم کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا بعص حال کے کج فہموں کو بھی سننا چاہیئے کہ اس نامراد جماعت کو حضرت ابوذرؓ کی جانب سے کیا جواب ملا۔ آپ نے ان کی تقریر سننے کے بعد فرمانا شروع کیا۔

" مجھ پر یہ بات ہرگز نہ پیش کرو، دیکھو اپنے بادشاہ کو ذلیل و رسوا نہ کرو، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جس نے اپنے بادشاہ کو ذلیل و خوار کیا اس کے لئے توبہ کا دروازہ بھی بند کر دیا جاتا ہے۔

خدا کی قسم عثمانؓ مجھے اونچی سے اونچی لکڑی یا بلند سے بلند پہاڑ پر بھی چڑھا کر اگر پھانسی دے دیں گے تو میں اسے مانوں گا اس حکم کے آگے

---

[1] تمام تفصیل طبقات سے ماخوذ ہے ۱۲

سرِ تسلیم خم کردوں گا، صبر کروں گا اور خدا سے اس صبر پر ثواب کی امید رکھوں گا میں سچ کہتا ہوں کہ اگر عثمان ایسا کریں گے تو میں اپنے لئے اسی کو بہتر سمجھوں گا، اسی طرح اگر عثمان آسمان کے اس کنارے سے اس کنارے تک مجھے دوڑنے کا حکم دیں گے، یا جہاں سے آفتاب اوگتا اور جہاں جاکر ڈوبتا ہے اس کے درمیان میں مجھے چلنے کا امر کریں گے تو میں اسے مانوں گا، سنوں گا، بجالاؤں گا، اور صبر کروں گا، اور اس صبر پر خدا سے ثواب کی امید رکھوں گا، اور اپنے حق میں اسی کو بہتر خیال کروں گا۔ اسی طرح اگر وہ مجھے گھر میں رہنے دیں گے (تو ٹھیک جس طرح گزشتہ باتوں میں میرا حال ہوگا) اسی طرح اس حکم کو بھی مانوں گا، سنوں گا، اس وقت بھی ان کا مطیع ہوں، فرماں بردار رہوں اور اسی کو اپنے لئے بہتر سمجھوں گا۔ صبر کروں گا اور خدا سے اجر کی امید رکھوں گا"[1]

یہ تقریر جس بلیغ و موثر پیرائے میں ابوذرؓ کے اندرونی جذبات کی ترجمانی کررہی ہے، حقیقت یہ ہے کہ سرکشوں کے ہوش اڑگئے ہوں گے، امید معاونت تو کجا خود انھیں اپنی جان کے لالے پڑگئے۔

اللہ اکبر جو شخص اونچی سی اونچی لکڑی کی پھانسی کو، اور گھر میں رہنے کو برابر خیال کرتا ہو، دونوں فرمانوں کو ایک نظر سے دیکھتا ہو، اس کی وفاشعاریوں کی کوئی حد ہوسکتی ہے؟

اس تقریر کے پڑھ لینے کے بعد کون دیوانہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ خلیفۂ ثالث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے صاف

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۶۶ ج ۴ - ۱۲ -

نہ تھا؛

ہم نہیں سمجھتے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی صفائی میں اب اس سے زیادہ اور کیا چیز پیش کریں۔ کیا لفظوں میں اس سے زیادہ اور بھی کوئی بالاتر قوت انسانی بے بوذر کی برات کو اس سے زیادہ صاف نکھرے ہوئے رنگ میں پیش کر سکتی ہو واللہ علی کل شئ قدیر۔ جن کی نگاہیں تنگ اور ظرف چھوٹے ہیں ان کو ان زور آور لفظوں کی معاونت سے چاہئے کہ اسے وسیع کریں۔ الحاصل باغیوں نے ربذہ کی درویش کی جس وقت یہ حالت دیکھی ہکا بکا ہو کر رہ گئے اور اسی وقت انھوں نے راہ گریز اختیار کی۔

تیسرا واقعہ

اس واقعہ کو عوف شیبانی سے امام احمد نقل فرماتے ہیں' عوف کا بیان ہے کہ۔

ایک شخص تحفے تحائف لے کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس ربذہ آیا۔ جب وہاں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ آپ بقصد حج مکہ مکرمہ تشریف لے گئے (مسند احمد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ربذہ آنے کے بعد کا ہے لیکن طبری میں ہے کہ یہ واقعہ ۲۹ھ کا ہے جس وقت حضرت ابوذر ربذہ نہیں آرہے تھے) اس شخص نے بھی کعبہ کی طرف اپنے اونٹ کی مہار پھیر لی' ان سامانوں کے ساتھ جو ان کے لئے لایا تھا مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ آخر منیٰ کے میدان میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی زیارت اسے نصیب ہوئی۔ اور اس وقت سے وہ بھی آپ کا شریک صحبت ہو گیا۔

وہی کہتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ منیٰ ہی میں تھا' کہ یکایک غل ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیٰ میں بجائے دو رکعتوں کے چار رکعتیں پڑھیں یعنی بجائے قصر کے نمازیں پوری پڑھیں[1] — (حاشیہ آیندہ صفحہ پر)

چوں کہ یہ بالکل جدید واقعہ تھا، اس لئے صحابہ میں بڑی ہی بھی پھیل رہی تھی عبداللہ بن مسعود۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک طرف آپس میں مشورے کر رہے تھے۔ بار بار عبداللہ ابن مسعود کی زبان پر یہ فقرہ آتا تھا۔ فلیت خطی من اربع رکعات رکعتان متقبلتان (بخاری) کاش چار رکعتوں کے ثواب سے مجھے وہی رکعتیں جو خدا کے نزدیک مقبول ہیں وہی ملتیں لیکن خلیفہ وقت کی اطاعت کو اُن کی دقیق روحانی بصیرتیں اس قسم کی مسائل پر ترجیح دے چکی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبدالرحمٰن کو جو آخری جواب دیا تھا وہ یہ تھا۔

الخلاف شر، قد بلغنی انه صلی اربعًا فصلیت اصحابی اربعًا[1]	خلاف بری بات ہے مجھے خبر ملی کہ حضرت عثمان نے چار رکعتیں پڑھی ہیں اس لئے میں نے بھی چار پڑھیں

ہمارے مجذوب سرمست درویش کو بھی جب یہ خبر ملی تو ابتدا میں آپ پر

(بقیہ صفحہ گزشتہ) [1] حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب چار رکعت پڑھی تو عبدالرحمٰن بن عوف نے آکر پوچھا ہے کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا، کہ میں نے بعض لوگوں سے سنا کہ یمن کے کچھ لوگ اور بعض گنوار بدوؤں نے اپنے ملکوں میں جا کر مشہور کر دیا ہے کہ نماز مقیم کے لئے بھی دو دو رکعتیں ہی ہیں یعنی دو ظہر کی اور دو عصر کی کیوں کہ ایمرالمومنین یوں ہی پڑھتے ہیں۔ یہ ایک سخت غلط فہمی ہے۔ اس لئے اقامت کی نیت کر کے چار پڑھ لی اور وجہ اس اقامت کی یہ ہے کہ میں نے مکہ میں نکاح کر لیا ہے۔ اور یہاں سے طائف قریب ہے جہاں میری جائداد بھی ہے۔ اس کی نگرانی کے لئے بھی یہاں اقامت کر لیتا ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن نے اس پر پھر معارضہ کیا جس کا جواب حضرت عثمانؓ نے دیا کہ "یہ میری رائے ہے" حاصل یہ ہے کہ اقامت کی نیت سے جب آدمی مقیم ہو جاتا ہے تو حضرت عثمان پر اعتراض ہی کیا باقی رہتا ہے ۱۲

---

[1] طبری صفحہ ۳۲ - ۱۲ -

غصہ طاری ہوگیا اور سخت غیظ میں آکر جھلا کر فرمانے لگے۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں نماز پڑھی آپ نے ہمیشہ دو رکعتیں پڑھیں (یعنی قصر کیا)۔ پھر ابوبکرؓ نے بھی دو ہی پڑھیں۔ عمر فاروق کے وقت بھی یہی ہوتا رہا۔"

کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے کچھ سخت الفاظ بھی استعمال فرمائے خیر جو کچھ کہا ہو ہمیں دیکھنا تو یہ ہے کہ انجام کیا ہوتا ہے، اور خود کہا کرتے ہیں راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد اٹھے اور اٹھ کر آپ نے بھی چار ہی رکعتیں ادا کیں (یعنی قصر نہ کیا) لوگوں کو آپ کی اس شوراشوری اور پھر اس بے تکی پر سخت تعجب ہوا ایک شخص وہیں بیٹھا ہوا تھا اس نے فوراً پوچھا۔

"کہ یہ آپ نے کیا کیا جس فعل پر آپ ابھی ابھی امیرالمومنین کی شان میں سخت دست و سنار ہے تھے کس قدر عجیب ہے کہ کھڑے ہوکر پھر اسی فعل کے خود مرتکب ہوئے۔"[1]

حضرت ابوذر نے اس کے جواب میں وہ باتیں فرمائیں جو حق نیوشوں کے لیے ایک روشن شمع ہے آپ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بعد ایک سلطان ہونے والا ہے دیکھو! اس کو کبھی ذلیل و رسوا نہ کرنا، جس شخص نے اس کی ذلت کا ارادہ بھی کیا اس نے اسلام کے طوق کو گردن سے نکال کر باہر پھینکدیا۔ اس کی دعا کبھی مقبول نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس رخنہ کو جو اس نے اسلام کی دیوار میں پیدا کردیا ہے بند نہ کرے اور وہ اس رخنہ کو کبھی بند نہیں کرسکتا ہاں اگر پھر اس سلطان کی اطاعت و فرماں برداری کی طرف رجوع کرے گا تو پھر ان لوگوں میں وہ شمار

---

[1] طبری صفحہ ج ۲-۱۲

کر لیا جائے گا۔ جو اس کی عزت پہلے سے کر رہے تھے[1]

اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

امرنا[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا یغلبونا علی ثلث ان نامر بالمعروف وننھی عن المنکر ونعلم الناس السنن	مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ یہ لوگ (خلفا) تین باتوں پر غالب نہ آنے پائیں۔ امر بالمعروف (یعنی اچھی باتوں کی تعلیم دینے سے اور نہی عن المنکر (بری باتوں سے لوگوں کو روکنے سے) اور یہ کہ لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز و روش کی تعلیم دینے سے ہمیں نہ روکیں۔

اس واقعہ سے ذیل کے نتائج باسانی نکل آتے ہیں۔

(۱) حضرت ابوذرؓ نہ صرف دنیاوی معاملات میں حضرت عثمانؓ کی پیروی کو اپنے لئے واجب سمجھتے تھے بلکہ دینی حیثیت سے بھی حضرت عثمانؓ کی رضا کو امور واجبہ (کہ قصر ان کے نزدیک واجب ہے) ترجیح دیتے تھے۔

(۲) باوجودیکہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ جماعت میں شریک نہ تھے۔ لیکن محض اس خیال سے کہ جب خلیفہ نے چار رکعتیں پڑھیں تو اب ہم پر بھی اس فعل کا کرنا ضروری ہو گیا آپ نے تنہائی میں بھی اپنی نمازیں پوری کیں۔

(۳) آپ نہ صرف دنیاوی عزت بلکہ دینی و اخروی عزت کو حضرت عثمانؓ کی عزت کے ساتھ وابستہ خیال فرماتے تھے میں نہیں سمجھتا کہ اس واقعہ سے یہ نتائج کیوں نہیں نکل سکتے پس غور کر لینا چاہیئے کہ جب ایک مقدس و بزرگ صحابی بھی اپنی دینی عزت کا مدار حضرت عثمانؓ کی عزت پر سمجھتا ہے تو جو لوگ نہ صحابی ہیں نہ تابعی ان کی نجات و اعزاز کی کیا صورت ہوگی جبکہ

---

[1] مسند امام احمد ۱۷۱۔ [2] مسند ۱۲۔

وہ اپنی ہر بات میں عثمانؓ پر طعن و تشاعت کرنے کو اپنا شیوہ قرار دے ہوئے ہیں۔

الغرض اس واقعہ کے پیش کرنے سے مجھے حضرت ابوذر کی اطاعت کی ایک تصویر اتارنی تھی اور الحمد للہ کہ وہ پوری اور صاف اتری۔

یہ الگ بحث ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایسا کیوں کیا؟ فقہ میں اس واقعہ کو بہت اہمیت دی گئی ہے میرا فرض چونکہ اس قسم کے مسائل کی تفصیل نہیں۔ اس لئے میں اس پر مفصل بحث نہیں کر سکتا۔ ہاں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ کے نزدیک سفر میں قصر ضروری نہ ہو، جیسا کہ شوافع کا مذہب ہے کہ قصر رخصت شرعیہ ہے عزیمت اور اسقاط نہیں ہے اسے محض رخصت خیال کرتے ہوں، ہو سکتا ہے کہ دیہات کے گنوار موسم حج میں اس سال زیادہ آگئے ہوں۔ ممکن تھا کہ اگر ظہر کی آپ دو ہی رکعت پڑھتے تو یہ لوگ گھر جا کر بھی دو پڑھنے لگتے اور سند میں حضرت عثمانؓ کے فعل کو بیان کر دیتے۔ اس مصلحت عام کا خیال فرما کر آپ نے اگر شریعت ہی کے ایک قانون سے نفع اٹھایا تو اس میں کیا حرج ہے[1]

سطحی نظروں میں تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے لیکن جن دنوں میں اجتہادی بصیرتیں ہیں ان کی تحقیق یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ بھی قصر کو واجب سمجھتے تھے اور منیٰ میں اس وقت چونکہ آپ نے سفر کے ارادہ کو متبدل بقصر کر دیا تھا جیسا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے یہ نہیں کہا کہ سفر میں اتمام بھی جائز ہے اس لئے میں نے پڑھی بلکہ آپ کی ہر گفتگو سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے کو مسافرت سے نکال کر مقیم قرار دینا چاہتے تھے اور اسی کے وجوہ پیش

---

[1] حاشیہ میں لکھا بھی ہے کہ حضرت عثمان نے اس مصلحت کو بیان بھی کیا تھا۔ ۱۲

کرتے تھے۔

اس کے بعد پھر اس معاملہ میں کوئی جان باقی نہیں رہتی اور تمام جھگڑے صرف غلط فہمیوں پر مبنی معلوم ہوتے ہیں جو اس قسم کے مسئلوں میں عام بات ہے۔

وفات ۳۲ہجری ہجرت کا بتیسواں سال اپنی ہستی فنا کرتے ہوئے اپنے اخیر مہینے ذی الحجہ میں قدم رکھ چکا ہے عرب وعجم کی بے شمار روحیں عشق الٰہی میں سرشار و مست ہو ہو کر مکہ معظمہ کے وادیوں میں پھیل رہی ہیں۔ عراق کے مسافر ذات عرق کے راستے ربذہ کی پر فضا منزل سے گزر کر لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک کی دلگداز آوازوں سے ان دبی چھپی چنگاریوں کو بھڑکا رہی ہیں۔ جنھوں نے ابوذر کے سینہ کو آتشدان بنا رکھا تھا۔

ربذہ کے سامنے سے جو حاجی متانہ لباس میں پا برہنہ گزرتا اگر اور کچھ نہیں کرتا تھا تو کم از کم ابوذرؓ کے دل کو ضرور روندڈالتا تھا۔

خصوصًا اس سال کہ تمام ممالک محروسہ اسلام میں یہ اعلان عام طور سے شائع ہو گیا تھا کہ اس سال بھی مدینہ کا روحانی وجسمانی سلطان اپنے حقیقی ملیک قدوس کے آستانہ پر جبین نیاز جھکانے آئے گا یعنی عام طور پر یہ خبر ملک میں گرم تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حج میں بھی شریک ہوں گے۔

دور دور کے لوگ بیک کرشمہ دوکار کے اصول کو پیش نظر رکھ کر مکہ امنڈے چلے آتے تھے، کہ حقیقی و مجازی دونوں جمال و جلال کا نظارہ

لہ طبری صفحہ ۳۰۸۰ ج ۵۔ مطبوعہ مصر ۱۲

ایک ہی سفر میں ملتا ہے۔ مختلف ملکوں کے صوبہ داروں، والیوں کے نام بھی پروانے جاری کئے گئے تھے، کہ اس سال خدائے واحد کی دربار میں آکر بیت اللہ کے خادم عثمان سے مل جائیں۔

الغرض اس سال کی مختلف خصوصیتوں نے عشق کے بازار کو بہت زیادہ گرم و تیز کر دیا تھا اور ظاہر ہے کہ اسی حالت میں رندہ کے درویش کی آگ بھی جس قدر اشتعال انگیز ہو کر بھبھک رہی ہوگی اس کی کوئی انتہا نہیں ہوسکتی نتیجہ یہ ہوا کہ آخر بیماری دل نے کام تمام کیا۔ مدت سے آہستہ آہستہ سلگنے والی آگ دل و جگر کے ہر ریشہ میں پیوست ہوگئی۔ جو جسم انسانی تھا وہ از فرق تا بقدم انگارہ اور فقط انگارہ ہو کر دہکنے لگا حتیٰ کہ طاقت رفتار نے ساتھ چھوڑا۔ قوتوں نے جواب دیا اور وہ جو کہ سامان سفر میں مصروف تھا۔ بستر مرض پر یاس و ناکامی کی چند ٹھنڈی آہوں کے بعد اس طرح لیٹ گیا کہ پھر کبھی نہ اُٹھا۔

دنیا نے سمجھا کہ کوئی مادی بیماری ہے لیکن جنہوں نے آپ کے حالات کا مطالعہ ابتدا سے کیا تھا وہ سمجھ گئے کہ جو تیر کا مکہ کے کسی چبوترہ پر لگایا گیا تھا وہ اب گہرا ہو کر بیماری کی صورت میں ظاہر ہوا ہے حتیٰ کہ ضعف نے آپ کو اس درجہ مجبور کیا کہ باوجود قرب کے سب سے آگے رہنے والا سرِ آج سب سے پیچھے رہ گیا یا رکھ لیا گیا، آپ جس خیمہ میں بیمار ہو کر پڑ گئے تھے اسی کے سامنے سے روزانہ حاجیوں کا قافلہ امنگوں اور ارمانوں کے ساتھ گزرتا۔ اور آپ کے دل پر رہ رہ کر چوٹ پڑتی۔ آرزوؤں کا ولولہ اُٹھاتا اور تنِ زار کی کمزوری گراتی ایک عجب کشاکش تھی ہر بن مو سے گویا آواز آرہی تھی۔

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یاں طاقت بقدر لذتِ دیدار بھی نہیں

ضعف کا یہ حال کہ دو قدم چلنا بھی دوبھر تھا اور حسرتوں کی وہ سینہ زوریاں کہ جس طرح بھی ہوا ابراہیم کے سر پہ چمکنے والی بجلی یا فاران والی فارقلیط کی روح کو منور کرنے والی تجلی ایک دفعہ دل وجان پر کوندتی گذر جاتی۔

لیکن جہاں صرف اپنی خواہشوں کی پابندی ہو وہاں ان باتوں کو کون پوچھتا ہے' آہ کہ جس پردۂ جلال کے ناصیہ پر۔

ان اللہ غنی عن العالمین ۔ اللہ تمام عالم سے مستغنی ہے۔

آتشیں حروف میں لکھا ہوا ہو وہاں" میں یہ چاہتا ہوں" کی آواز کون سنتا ہے ابوذر نے چاہا' لیکن جسے ابوذر چاہتا تھا اس نے نہ چاہا پھر کیا مجال تھی کہ ربذہ کا بیمار ایک قدم بھی آگے بڑھا سکتا تھا۔

آخر یہی ہوا کہ بیماری و نقاہت نے مجبور کیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس پرشوکت حج میں شریک نہ ہوسکے۔ کیا کرتے تھک کر ربذہ کے خیمہ میں پڑ گئے۔

ربذہ کے باشندے ایک تو یوں ہی تھوڑے تھے اس پر کل سرکاری آدمی ان بیچاروں کو کیا علم تھا کہ افق غیب میں کیا مستور ہے۔ حضرت عثمان رض کی آمد کی خبر سن کر وہاں کے کل آدمی مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔

ربذہ بالکل خالی ہو گیا۔ زندہ نفوس میں وہاں صرف آپ کا ایک جسم بیمار اور آپ کے اہل وعیال رہ گئے اور بس۔ اُدھر مناسک زیارت کے دن بھی قریب آچکے تھے کہ مسافروں کی آمدورفت کا سلسلہ بھی بند ہو گیا سٹرک بھی سنسان پڑی ہوئی تھی۔[1]

---

[1] استیعاب ابن عبدالبر ج ۴۔ ۱۲

سبحان اللہ کسی کی زبان سے کچھ نکل گیا تھا فقط اس کو پورا کرنے کے لئے کیا کیا سامان ہو رہے ہیں۔ ابوذر دمشق سے بلوائے جاتے ہیں۔ مدینہ سے ربذہ بھیجے جاتے ہیں۔ حج کے بہانے سے ربذہ کو خالی کیا جاتا ہے۔ اور آہ کہ وقت بھی وہ رکھا جاتا ہے، کہ راہ کا راہی اور سڑک کا کوئی مسافر بھی میسر نہ آسکے۔ ع

"ایں ہمہ غوغا برائے نیم جانے می شود"

کہ فعال لما یرید کی قوتوں کو مانو اور اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ۔

خیر جب سارا سامان تیار ہو گیا دیکھ لیا گیا کہ شرائط جو زبان سے ادا ہوئے تھے، ٹھیک پورے ہو چکے ہیں کہ یکایک اسی ہُو کے میدان میں جہاں چند جانوں کے علاوہ دور دور تک شاید کوئی پر مارنے والا پرند بھی موجود نہ تھا۔ ربذہ کی صوفی خیمہ والی کالی تیمار دار عورت (یعنی حضرت ابوذر کی حرم محترمہ نے) ایک چیخ ماری، خدا جانے اُنھوں نے کیا دیکھا اور کس کو دیکھا۔ مگر فوراً ہچکیوں میں ملی ہوئی نرم آواز میں حضرت ابوذر کے بستر سے آواز آئی "تم کو کس نے رلایا؟"

بیوی صاحبہ۔ تمہارا وقت قریب آگیا ہے اور میں عورت ہوں، اتنی قوت نہیں کہ اس پتھریلی زمین میں تمہارے لئے ۔ ۔ ۔ ۔ کھود سکوں گی۔ اور آہ کہ گھر میں ایک دھجی بھی نہیں جس میں تمھیں لپیٹ کر ۔ ۔ ۔ ۔ کر سکوں گی۔

حضرت ابوذرؓ یہ سن کر نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ان سامانوں کا جو اصلی منشا تھا اس کو ان الفاظ میں ظاہر فرمانے لگے۔

"مت رو، اس لئے نہ رو، میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا، اس وقت آپ نے فرمایا کہ قطعاً تم

لوگوں میں سے ایک شخص ایک چٹیل سنسان وادی میں جان دے گا
جس کے جنازے میں مسلمانوں کا ایک گروہ آکر شریک ہوگا۔ اور میں اس
دن سے اندازہ کر رہا ہوں کہ وہاں پر جتنے لوگ تھے ان میں سب کے سب
کسی شہر یا آبادی میں وفات پاچکے اور اب صرف میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ جو
اس وقت اس وادی بیکسی میں دم توڑ رہا ہوں۔ بس جا! راستہ پر
جاکر بیٹھ۔ مسلمانوں کی کوئی جماعت ضرور آرہی ہوگی۔ کیونکہ خدا کی قسم
نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں اور نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے۔

بیوی صاحبہ۔ خدا جانے اب لوگ کہاں سے آئیں گے حاجیوں کی آمدورفت
کا سلسلہ بند ہوچکا تھا۔ راستہ بالکل سنسان پڑا ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تم جاؤ تو سہی جاکر دیکھو بھی تو۔

سمجھنے والوں کو اب جاکر معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس سے پہلے جو کچھ ہوا تھا ع

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

کے لئے ہو رہا تھا۔ غفار کا بہادر جوان صید گاہ عشق میں کودا تھا۔ اس پر جو تیر
چلایا گیا تھا آج جاکر نشانہ پر بیٹھتا ہے۔

روتی دھوتی۔ یاس وناکامی کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ اٹھیں اور
سڑک کے کنارے آکر بیٹھ گئیں۔ مایوسانہ نگاہیں افق تک پھیل کر کسی چیز کو
انتہائی بے کسی کے ساتھ ڈھونڈھ رہی تھیں۔ اور پھر ناکامیوں کے ہجوم میں واپس
آجاتیں۔ یہ سلسلہ آمدورفت کا اسی طرح قائم تھا کہ یکایک مبدا کے چہرے سے
نقاب اٹھا گیا اور اس کی خبر گرد و غبار کی صورت میں ایک جانب سے آگئی
بیوی صاحبہ کا اس وقت کیا حال ہوا ہوگا لکھنے کی ضرورت نہیں سوچنے کی
ضرورت ہے۔

پردہ چاک ہوتا ہے۔ اور اندر سے گردنیں اٹھائے اونٹوں کی ایک قطار انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ نمودار ہوئی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ اس طرح اڑتے چلے آرہے تھے کہ گویا بھاری پرندوں کی ٹولیاں زناٹے بھرتی ہوئی آرہی ہیں۔ عربی عماموں والے شتر سوار گرد و غبار میں ڈوبے ہوئے اس پر سوار تھے آناً فاناً وہ لوگ بیوی صاحبہ کے سر پہ پہنچ گئے۔ ان لوگوں کی یکایک نگاہ آپ پر پڑی۔ اس عالم تنہائی میں ایک عورت کا اس طرح سے کھڑا رہنا حیرت میں ڈال دینے کے لئے کافی تھا۔ نکیلیں ڈھیلی کر دی گئیں اونٹ روک دئیے گئے۔ جو آگے تھا اس نے آپ کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"بیوی صاحبہ آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں آپ پر کیا حادثہ گزرا؟

بیوی صاحبہ: "مسلمانو! ایک آدمی بیچارہ مر رہا ہے خدا کے لئے اس کے دفن کا سامان کرو۔"

اس کے بعد جو جملہ آپ کی زبان سے نکلا، دل کے ٹکڑے اڑا دیتا ہے کلیجہ پاش پاش ہوا جاتا ہے بے نیازی کی بے نیازیوں کا مرقع کچھ اس طرح آنکھوں کے سامنے عریاں ہوتا ہے کہ دل بیٹھا جاتا ہے اللہ اکبر ابوذر راتوں کو پیشانی گھس گھس کر صبح کر دینے والا ابوذر، آہ کہ وہی ابوذر جس نے عشق و سرمستی میں اپنی عمر کاٹ دی۔ توحید و سنت کی اشاعت میں دربدر پھرنے والا ابوذر! محض آسمانی محبوب کی رضا جوئی میں دولت و امارت سے کنارہ کش ہونے والا ابوذر! صرف اسی کی پوجا کے لئے آبادیوں کو چھوڑ کر جنگل کے پکھیرو کی طرح زندگی گزارنے والا ابوذر! آہ کہ وہی ابوذر! آج ایک جنگل میں جان دے رہا ہے اور اس طرح دے رہا ہے کہ ان کی بیوی اللہ اللہ!

مسافروں کے سامنے اس لئے کھڑی ہیں کہ ان کے کفن کے لئے بھیک مانگیں۔ غنی مطلق کی استغنائے مطلق کی یہ کار فرمائیاں ہیں اس روحانی بادشاہ کی بیوی کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں اور مقربین صدیقوں کا زہرہ آب ہوا جاتا ہے۔

"اس بیچارے مسلمان کے پاس کفن نہیں ہے خدارا ان کے کفن کا بھی سامان کرو۔ خدا کے یہاں اجر پاؤ گے۔"

شتر سوار نے پوچھا کہ وہ کون آدمی ہے۔ آواز آئی

"ابوذر صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

یہ سن کر ہوش اُڑ گئے۔ حواس خبط ہو گئے۔ کہرام مچ گیا۔ سننے والوں نے شور برپا کر دیا غل تھا کہ:

"وہ! اُن پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں، وہ! ان پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں"

اونٹوں کی پیٹھیں خالی ہو گئیں کوڑے ان کی گردنوں میں لٹکا کر چیختے ہوئے گریاں و نالاں افتاں و خیزاں مریض کے خیمہ کی طرف دوڑ پڑے[1]

حضرت ابوذرؓ نے بیوی صاحبہ کو ادھر بھیج کر اپنی بچی کو پکارا اور فرمایا۔

"بیٹی ایک بکری ذبح کرو اور فوراً اس کے گوشت کو آگ پر چڑھا دو۔ گھر میں مہمان آ رہے ہیں جب وہ مجھے دفن کریں تو تم ان سے کہنا کہ ابوذر نے آپ لوگوں کو خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک نہ کھا لیں اپنی سواریوں پر سوار نہ ہوں"[2]

---

[1] یہاں تک واقعات طبقات ابن سعد سے ماخوذ ہیں۔ مسند احمد وغیرہ میں بھی موجود ہیں ۱۲

[2] تاریخ طبری ج ۵۔ صفحہ مطبوعہ مصر ۱۲

اس کے بعد فرمایا کہ مہمانوں کی ایک اور جماعت آنے والی ہے جو کھاتی پیتی نہیں لیکن خوشبو سونگھتی ہے ایک نافہ مشک کا پڑا ہوا ہے اسی کو گھس کر پانی میں ملاؤ۔ اور تمام خیمہ پر اُسے چھڑک دو۔ عنقریب وہ آنے والے ہیں

روح جسم کو چھوڑ رہی ہے سکرات کی حالتیں طاری ہیں لیکن اس وقت بھی جو خیال عملی صورت اختیار کر رہا ہے وہ وہی ہے جو میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ علم عمل پر منطبق ہو جائے۔

خلیل ابوذر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بتایا تھا کہ مہمانوں کا اکرام کیا کرو۔ پس گو جان نکل رہی ہے لیکن جو قول اس میں منجذب ہو گیا تھا اس پر عمل کرنا بھی ضرور ہے۔

خیر یہاں تو یہ سامان ہو رہے ہیں اتنے میں آہ و بکا کی غوغا میں شتر سواروں کی جماعت خیمہ کے اندر آ گئی مسلمانوں کی اس جماعت کو دیکھ کر جاں بلب ابوذر کے بدن نے گویا ایک جھرجھری سی لی۔ یکایک حجۃ الوداع کی آخری وصیت نبویہ صلی اللہ علی صاحبہا

الا فلیبلغ الشاھد الغائب | دیکھو جو یہاں موجود ہے وہ غیر حاضر لوگوں کو میرا قول پہنچا دے

موت کی تمام سختیوں پر غالب آ گئی۔ ان لوگوں کو دیکھ کر فرمانے لگے۔

"تمہیں خوشخبری ہو تم لوگوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مژدہ سنا گئے ہیں (یعنی فرمایا تھا) کہ مسلمانوں کی ایک جماعت آپکے کفن و دفن میں شریک ہو گی"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تصدیق کہ فلاں شخص مسلمان ہے یا فلاں جماعت مسلمانوں کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ جان بخش گرانمایہ مژدہ

سے کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۵۰

اور کیا ہو سکتا ہے اس کے بعد حضرت ابوذرؓ نے فرمایا۔

"ایک اور مژدہ سنو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے
جن دو مسلمانوں کے درمیان دو بچے مر گئے ہوں یا تین بچے مر گئے ہوں
اور ان کی موت پر انھوں نے صبر سے کام لیا ہو اور صبر پر ثواب کی
امید لگائی ہو تو یہ دونوں ہمیشہ کے لئے آگ کے شعلوں سے جدا ہو گئے۔"

یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے جو یہ حدیث بیان کی عموماً اس پر برانگیختہ کرنے والا تبلیغ کا جذبہ دیرینہ تھا۔ تاہم یہ بات البتہ قابل غور ہے کہ آپ نے خاص کر اسی روایت کو یہاں پر کیوں بیان کیا، میں اس کا قطعی جواب تو نہیں دے سکتا، پھر بھی قرائن و قیاسات کا مقتضیٰ ہے کہ آپ کو یہ بھی جتانا منظور تھا کہ دیکھو ابوذر! اس دنیا سے جاتا ہے مگر اپنے اعمال و افعال پر بھروسہ کر کے نہیں جاتا۔ اپنی صدقات و خیرات پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی جان جان آفرین کے سپرد نہیں کرتا۔ ان چیزوں میں سے اس کو کسی پر غرۃ نہیں۔ کسی پر بھروسہ نہیں۔ ہاں صرف ایک آس ہے کہ اس کے چند بچے مر چکے ہیں، الرحم الراحمین شاید اسی کو بخشائش و مغفرت کا ذریعہ بنا دیں فقط ایک یہی چیز ہے کہ جو ممکن ہے کہ رحمت ایزدی کو اس کی طرف متوجہ کر سکے اور اسی وقت پر کیا موقوف ہے، بسا اوقات لوگوں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا۔

واللہ لوددت ان اللہ عز وجل خلقنی یوم خلقنی شجرۃ تعضد و توکل ثمرھا	خدا کی قسم میرے دل کی یہ آرزو ہے کہ کاش! حق تعالیٰ نے جس دن مجھے پیدا کیا (بجائے آدمی) کے اگر میں ایسا درخت بن کر پیدا ہوتا کہ جو کاٹ دیا جاتا ہے (اور جب تک کٹتا نہیں) لوگ اس کے پھل کھاتے

اور یہ تو ایک صوفیانہ نکتہ ہے کہ موت سے پہلے جس قدر خشیتہ و خوف خدا اپنے دل پر

غالب کر سکتے ہو کرتے رہو۔ پر جب موت کی گھڑیاں سر پر آ جائیں اس وقت بیم و دہشت کو سینے سے باہر نکال کر صرف امید نجات و فوز رحمت و غفران سے دل کو لبریز کر لو۔ شیخ المجاذیب اس وقت اسی شغل میں مصروف ہیں۔

اس کے بعد آپ کے دل سے ایک شورش انگیز روح فرسا، حوصلہ گسل آواز اٹھی، اور بصد حسرت و یاس اٹھی۔ صحابیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"اے کاش کہ میرے پاس اتنے کپڑے ہوتے کہ میں اس میں سما کر اسے کفن بنا لیتا...... تو پھر میں اس کے علاوہ اور کسی کفن کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

مگر..... (یعنی جو خدا کی مرضی یہی ہے کہ اپنے کفن میں لپیٹا نہ جاؤں اور آپ لوگ اپنا کفن دیں) اب آپ لوگوں کو وصیت کرتا ہوں، خدا کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے جو شخص بھی کفن دے وہ نہ تو کسی صوبہ کا ہوا ہو اور نہ عریف[1] ہو اور نہ ذاکیمہ ہو"!

اتفاق تو دیکھو کہ اس جماعت میں جتنے آدمی تھے۔ قریب قریب ہر ایک ان عہدوں میں سے کسی ایک پر ممتاز تھا۔ صرف ایک انصاری جوان البتہ ایسا تھا جس میں یہ باتیں نہیں تھیں۔ وہی بول اٹھا کہ مجھ میں آپ کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں اور میرے تھیلے میں دو چادریں بھی نئی رکھی ہوئی ہیں۔ جن کے سوت میری ماں کے ہاتھ نے کاتے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان چادروں کو میری ماں نے بُنا ہے۔ اور ایک چادر یہ ہے جو میرے بدن پر پڑی ہوئی ہے۔ ملا کر تین کپڑے ہو جاتے ہیں۔ جو کفن کے لئے کافی و وافی ہیں۔

---

[1] عریف ایک جماعت کے اس نمائندے کو کہتے ہیں، جو حکومت کے سامنے جماعت کا ذمہ دار ہو ۱۲

حضرت ابوذرؓ نے یہ سن کر فرمایا۔

"ہاں تو تم میرے حسب منشا ہو۔ بس انھیں کپڑوں میں مجھے کفنانا۔"

اس گفتگو کے بعد اور کیا کیا باتیں ہوئیں، مورخین ان سے ساکت ہیں ہاں طبقات ہی میں ایک اور روایت موجود ہے۔ جو بظاہر بلکہ یقیناً اس روایت کے مخالف ہے، حافظ ابن قیم نے زادالمعاد میں اس کے تضاد پر تنبیہ بھی کی ہے، اور بغیر کسی جواب کے آگے نکل گئے ہیں۔

لیکن میرے نزدیک راویوں سے اس میں چوک ہوئی ہے اقرب الی الصحت اس کی ترتیب یوں معلوم ہوتی ہے کہ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ۔

"مجھے نہلا دھلا کر کفن پہنا کر سڑک پر جا کر ڈال دینا، اور دیکھتے رہنا سب سے پہلے سواروں کی جو جماعت گزرے اُن کو ٹھیرا کر کہنا کہ یہ ابوذر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، تم لوگ ان کے دفن میں میری مدد کرو۔"

٨ ذی الحجہ سنہ ۳۲ ہجری

انا للہ وانا الیہ راجعون" خدا کی ہر چیز خدا ہی طرف جانے والی ہے آخر وہ وقت عظیم آگیا، آسمانوں سے فرشتے اتر پڑے اور اس خستہ و نزار سوختہ و بریاں جان کو جس نے خدا جانے اس عنصری دور میں نشیب و فراز عالم کے کتنے حوادث دیکھے اور خود اس قفس خاکی میں بند ہو کر کیا کیا کیا تھا۔

اسی کو لینے کے لئے دنیاوی مخمصوں سے نجات دینے کے لئے قدوسیوں کی جھرمٹ میں موت کا فرشتہ مشک بیز خیمہ میں اپنے میزبان کے پاس پہنچ گیا۔

حجابات اُٹھنے لگے۔ اَن دیکھی چیزیں آنکھوں کے سامنے چلتی پھرتی نظر آنے لگی۔ ابو ذرؓ نے ٹوٹتی ہوئی آواز میں دنیا والوں کو اس آخری نقطے مخاطب فرمایا "قبلہ کی طرف میرا رُخ کردو"۔

اس آخری حکم کی آخری تعمیل کردی گئی۔ اس کے بعد خلوص وسچائی کے اندر ڈوبے ہوئے الفاظ فضائے خیمہ میں اس طرح گونجے "بسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" انہیں آپک آوازوں کے ساتھ خاک آب وآتش وباد کے کُرے ایک تاباں روشنی اور مقدس تعلق سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔ سراج منیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے دمکنے والا ماہتاب ٹھیک آٹھ ذی الحجہ کو ربذہ کے حوالی اُفق میں غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نفس مطمئنہ" فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی کی صدائے روح پرور پر زمین سے اُکھڑی اور جہاں بلائی گئی پہنچ گئی۔ جس نے اپنے کو خدا کے لئے بنا دیا تھا وہ نہایت امانت کے ساتھ پیمانِ وفا کو پورا کرتے ہوئے جلال وجمال کی مستور کششوں میں غرق ہوکر جس کے لئے تھا اُسی کے پاس چلا گیا۔

وماکان قیس ھلکہ ھلک واحدٍ ولکنہ بنیان قوم تھدّما

مجذوبوں کا سردار رئیس الطائفہ فقیری کی ایک جدید یادگار چھوڑ کر دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگیا۔

جنازہ آنکھیں بند کی گئیں، انگوٹھے باندھے گئے، غسل دینے والوں نے نہلایا، انصاری نوجوان نے کپڑے نکال کردئے اور اس جسم کو جس نے

؎ کامل ابن اثیر ص ۵۵ ج ۳۔

اسلام کے بعد خدا کی مرضی میں اپنی خواہشوں کو جذب کر دیا تھا ایک غیر کے کپڑے میں کفنایا گیا۔ حسب وصیت آپ کا جنازہ اٹھایا گیا اور عام گزرگاہ پر لا کر رکھ دیا گیا۔

ادھر کوفہ سے استاد المسلمین معلم الامۃ فقیہ الاسلام حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرہ کا احرام باندھے ہوئے مع ایک جماعت کے مکہ مکرمہ کے ارادے سے تشریف لا رہے تھے۔

آپ کو اس المناک سانحہ کا علم تھا یا نہیں مجھے کیا معلوم تاہم ظاہر حال یہ تھا کہ آپ نہایت تیزی کے ساتھ اپنے اونٹ کو بھگاتے ہوئے لا رہے تھے۔ قریب تھا کہ جس کا جنازہ بیکسی کے ساتھ راستہ پر پڑا ہوا تھا وہ سواری کے نیچے آ جائے۔ لیکن یکایک آپ ٹھٹھک گئے۔

جنازہ کو اس طرح پڑا ہوا دیکھ کر اپنے اونٹ کو روک لیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی ٹھیرا لیا۔ لوگ سڑک کے نیچے آنے والوں کا انتظار کر رہے تھے ان لوگوں کو دیکھ کر سامنے آ گئے۔ اور آ کر کہا

"ابوذر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے دفن میں ہم لوگوں کی مدد کیجئے۔"

ایک زبردست دھکا تھا جس نے اچانک ابن مسعودؓ کی روح میں زلزلہ ڈال دیا۔ ابن عبدالبر کی روایت ہے کہ سنتے ہی آپ نے ایک چیخ ماری۔ اور مجنونانہ اپنے اونٹ سے اتر پڑے۔ روتے جاتے تھے اور حالت وارفتگی میں آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے "میرے دوست! میرے بھائی"۔ اخیر میں فرماتے:۔

"مبارک ہو تم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ ابوذر

اکیلا ہی چلتا ہے۔ اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اُٹھے گا۔"

حتیٰ کہ کم از کم مرنے والا اگر اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جاتا تو اپنے گھر کا کفن یقیناً لے جاتا ہے۔ لیکن ابوذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کا یہ عالم ہے کہ کفن بھی اس کے ساتھ اپنا نہ تھا لوگوں نے حضرت ابن مسعودؓ سے نماز کی درخواست کی جنازہ آگے رکھا گیا۔ اس وقت کا نظارہ کتنا عظیم الشان اور دل ہلا دینے والا نظارہ ہوگا۔ سامنے اس کا جنازہ رکھا ہوا ہے جو اپنے محبوب سے اسی طرح ملنے جا رہا ہے جس طرح اسے چھوڑ کر آپ تشریف لے گئے تھے۔

جنازہ کا امام وہ شخص ہے جس کی مرضی دنیا کے سب سے بڑے آدمی کی مرضی قرار دی گئی۔ اور جن کے عہد و علوم پر اعتماد کرنے کی وصیت خدا کے آخری پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا کو فرمائی[1]

اور صفوں میں مبشرین کی وہ جماعت ہے[2] جن کے اسلام کی تصدیق سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی۔ اور جن کا بیشتر حصہ ان لوگوں پر شامل تھا جن کے ملک سے عرب کے بنی ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کی خوشبو آئی ابن سعد کا بیان ہے کہ پہلا گروہ کل یمانیوں پر مشتمل تھا۔ ابن اثیر نے دونوں گروہ کے آدمیوں کے ناموں کی تفصیل بھی لکھی ہے میں بھی ان کی تفصیل اسی سے نقل کرتا ہوں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود۔ اسود بن یزید۔ علقمہ بن قیس نخعی۔ مالک بن الاشتر نخعی

---

[1] بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ مناقب مذکور ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب "تدوین فقہ" ۱۲

[2] حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ کی یہ عجیب خصوصیت ہے (باقی بر صفحہ آیندہ)

حلاؔل ضبتی۔ حارثؔ بن سوید تیمی۔ عمرؔو بن عتبہ السلمی۔ ابنؔ ربیعہ سلمی۔ ابوؔ المفز تیمی
ابوؔ رافع مزنی۔ سویدؔ بن شعبہ تیمی۔ یزیدؔ بن معاویہ تیمی۔ واخاؔ القرثع الضبی۔
اخو معضدؔ الشیبانی۔

الغرض میدان میں بعد بیکسی جو دم توڑ رہا تھا محض اس کی خاطر تھی کہ کوفہ کی زمین ہلائی جاتی ہے اور فقیہ الاسلام معلم الامۃ کو زبردستی کھینچ کر جنازہ پر لا کر کھڑا کیا جاتا ہے تاکہ جاننے والے جانیں کہ جو خدا کے لئے مرتا ہے خدا اس کے لئے کیا کچھ نہیں کرتا۔

مجھے بار بار حیرت ہوتی ہے کہ حج کا موسم جب ختم ہو رہا ہے ایام حج بھی گزر رہے ہیں ایسے وقت میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ کا مکہ آنا ایک محض بے موقعہ سی بات معلوم ہوتی ہے۔ ان کو اگر آنا تھا تو پھر خواہ مخواہ چند دنوں کے لئے انھوں نے حج کو کیوں چھوڑا۔ میں اس معمہ کو آج تک نہیں سمجھ سکا۔ پھر اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا یہ فرمانا کہ دیکھتے رہنا کوئی آتا ہوگا۔ عجیب اسرار ہیں جو علت و معلول کے سلسلہ میں کسی طرح درج نہیں ہوتے۔ رہ رہ کر میری زبان پر یہ مصرعہ جاری ہو جاتا ہے کہ

اے زائر حرم غرض زیں طوف خانہ چیست

نماز کے بعد جنازہ اٹھا، کن کاندھوں پر اٹھا، اور کس کا اٹھا چشم بصیرت

(بقیہ سلسلہ گزشتہ) عام طور پر لوگوں کی تمنا ہوتی ہے کہ مرنے سے جنازے کی نماز کوئی عالم دین پڑھاتا، لیکن قدرت نے حضرت ابوذر کے لئے اسی آرزو کو عجیب طرح سے پوری کی کہ اسلامی دینیات کی سب سے زیادہ معتبر ترین شکل یعنی ”حنفیت“ جس صحابی اور تابعیوں کے ذریعے سے امت تک پہنچی ہے اسی فقہ کے تینوں امام یعنی عبد اللہ بن مسعود، علقمہ اور اسود سب اس میں شریک ہیں ان بزرگوں کے صحیح مقام اگر جاننا چاہتے ہوں تو میری کتاب تدوین فقہ میں دیکھئے ۱۲

دیکھے اور رشک وغبطہ کی موجیں دلوں سے اچھل اچھل کر نجات کی راہیں ڈھونڈھنے والوں کو تڑپائیں۔

سب سے پہلی منزل کے دہانہ پر غفار کے سب سے بڑے انسان کو لایا گیا قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ اور لوگوں کے ساتھ قبر میں اترے۔ اتر کر اس سرچشمۂ صدق وامانت کو جس سے زیادہ سچی زبان والے انسان پر آسمان نے کبھی سایہ نہیں ڈالا تھا۔ اور نہ جس سے زیادہ صدیق وراست باز لہجہ کو زمین نے اپنی پشت پر کبھی اٹھایا تھا۔ ربذہ کی ایک کنج عافیت اور شکم زمین میں ہمیشہ کے لئے مستور ومخفی کر دیا گیا اور وہیں آج تک موجود ومودع ہے عام زیارت گاہ ہے۔ پس جو تنہا ہی چلتا تھا۔ تنہا ہی رہتا تھا۔ وہ تنہا ہی عرصہ بلا وآزمایش سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگیا، اور ربذہ کے صحرا میں تنہا ہی سویا ہوا ہے تا اینکہ جب اٹھنے کا دن آئے تو وہ اس وقت بھی تنہا ہی اٹھے!

حقیقی جذب وسرمستی کا چراغ گو اس کے بعد گل ہوگیا۔ لیکن اس کے بعد بھی جہاں کہیں اس کی کچھ روشنی پائی گئی یا اس وقت بھی پائی جاتی ہے وہ اسی کے فیض ریز شعاعوں کا نتیجہ ہے اور آیندہ عیسوی زہد وورع کا ہدی محمدی علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیۃ کے ساتھ جہاں کہیں بھی جمع ہوسے وہ اسی اجتماع کا اثر جاری ہے فرضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن الذین اتبعوہ باحسان۔

حضرت ابن مسعود کی روانگی اور آپ کے اہل وعیال کا انتظام

الغرض قضا وقدر نے جو کچھ چاہا وہ ہوا دفن کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے رفقا کے ساتھ باچشم تر آپ کے

خیمہ میں آئے۔

بیوی صاحبہ اور آپ کی یتیم صاحبزادی صاحبہ وہاں موجود تھیں آپ نے تسلی و تشفی کے کلمات ان کو کہے خود بھی سنبھلے ان کو بھی سنبھالا جب گونہ سکون پیدا ہو گیا تو چلنے کے ارادے سے اُٹھے۔

حضرت ابوذر کی صاحبزادی صاحبہ نے پوچھا کہ کہاں تشریف لے چلے ابا نے وصیت کی ہے اور خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک آپ لوگ کچھ کھا نہ لیں سوار نہ ہوں۔ انھوں نے اپنی زندگی میں بکری ذبح کرا کے پکنے کا حکم دے دیا تھا۔ جو پک کر رکھی ہوئی ہے۔

یہ فرما کر کھانا پیش کر دیا کھایا تو کیا جاتا۔ لیکن مرنے والے کے اس خلوص کو دیکھ کر عبد اللہ بن مسعود دنگ ہو گئے اور ہونا چاہئے تھا کہ حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر اس وقت بھی عمل کیا جب دنیا میں وہ اپنی آخری سانس پوری کر رہے تھے تاکہ یہ دعویٰ کہ "میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ملوں گا جس طرح آپ نے مجھ کو چھوڑا ہے" عملی طور پر مدلل ہو جائے۔

الغرض جو کچھ کھایا جا سکا کھانے والوں نے کھا لیا۔ اس کے بعد عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے کیا کیا۔ طبری نے اس کے متعلق دو روایتیں درج کی ہیں ایک میں یہ ہے کہ حضرت ابوذرؓ کے تمام اہل و عیال کو ساتھ لے لیا اور مکہ معظمہ میں جا کر حضرت عثمانؓ کے حوالے کر دیا۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ نہیں ان لوگوں کو تسلی دلاسا دے کر آپ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو اس جانکاہ حادثہ کی خبر دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو سخت صدمہ ہوا

اور بجائے اصلی راستہ کے آپ مدینہ ربذہ کی طرف سے نئے راستہ میں ربذہ میں اترے اور تعزیت وغیرہ کرکے سب کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ منورہ آئے۔

الغرض خواہ یہ ہو یا وہ ہو۔ اس پر دونوں روایتیں متفق ہیں کہ

ضمہ عثمان الی اھلہ | حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوذر کے بال بچوں کو اپنے اہل بچوں کے ساتھ ملالیا

فجزاہ اللہ عنی وعن المسلمین خیرا الجزاء پھر دنیا نے ختم نبوت کے فیض صحبت کے آثار کو سرشاری و ہشیاری، بے کاری و باکاری، خواب و بیداری، نیستی و ہستی کی اس عجیب و غریب ترکیبی وجود کو کبھی نہیں دیکھا۔ ؟ حیدر کرار (کرم اللہ وجہہ) امام فن نحو حضرت ابوالاسود دؤلی نے سچ فرمایا تھا۔

رائت اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فما رائت لابی ذر شبیھا | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو میں نے دیکھا لیکن ابوذر جیسا تو کسی کو نہ دیکھا۔

(مسند احمد ص۱۸۱)

تمت

ہماری ہر دلعزیز مطبوعات

مقام اقبال - سید اشفاق حسین تین روپیہ چودہ آنہ
روح اقبال ڈاکٹر یوسف حسین خان پانچ روپیہ بارہ آنہ
آثار اقبال - غلام دستگیر رشید تین روپیہ بارہ آنہ
تنقیدی جائزے - سید احتشام حسین - تین روپیہ بارہ آنہ
تنقیدی حاشیئے - مجنوں گورکھپوری تین روپیہ بارہ آنہ
ترقی پسند ادب - عزیز احمد - دو روپیہ چودہ آنہ
ادب اور انقلاب - ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری تین روپیہ آٹھ آنہ
داستان اردو - نواب نصیر حسین خیال - ایک روپیہ بارہ آنہ
افادات محمد علی - رئیس احمد جعفری - تین روپیہ بارہ آنہ
نگارشات محمد علی " " " تین روپیہ بارہ آنہ
مقالات محمد علی اول " " " تین روپیہ بارہ آنہ
مقالات محمد علی دوم " " " تین روپیہ بارہ آنہ
طنزیات و مطائبات " " " دو روپے آٹھ آنہ
مکالمات ابوالکلام - عقیل احمد جعفری تین روپیہ بارہ آنہ
فیصلہ ہندوستان - عبدالقدوس ہاشمی - پانچ روپیہ
معاشیات پاکستان " " ایک روپیہ آٹھ آنہ
تقاریر جناح - عثمان صحرائی - تین روپیہ چار آنہ
سیاسی نظریئے - اکرام قمر - ایک روپیہ آٹھ آنہ
مقام جمال الدین افغانی - مبارز الدین - تین روپیہ چار آنہ

یقین و عمل ۔ عبدالقدوس ہاشمی ۔ دو روپیہ آٹھ آنہ
زندگی کی ٹھوکریں ۔ رئیس احمد جعفری ۔ تین روپیہ چار آنہ
قائدین کے خطوط جناح کے نام ۔ سعید ۔ دو روپیہ
تانیثیت ۔ شاہد حسین رزاقی ۔ دو روپیہ بارہ آنہ
ان پڑھ ہندوستان ۔ فخرالحسن ۔ تین روپیہ چار آنہ
اسلامی تہذیب کیا ہے ۔ غلام دستگیر ۔ دو روپیہ آٹھ آنہ
قصص و مسائل ۔ مولانا عبدالماجد دریاآبادی ۔ ایک روپیہ بارہ آنہ
ابوذر غفاریؓ ۔ مولانا مناظر احسن گیلانی ۔ دو روپیہ بارہ آنہ
کاروان علم ۔ فیض محمد بادشاہ حسین ۔ تین روپیہ
گھر اور زندگی ۔ بلقیس بیگم ۔ تین روپیہ
بچوں کی نفسیات ۔ شیر محمد اختر ۔ ایک روپیہ بارہ آنہ
نفسیات زندگی ۔ 〃 〃 ایک روپیہ بارہ آنہ
شخصیت و کردار ۔ 〃 〃 دو روپیہ چار آنہ
کیا اور کیوں؟ افضل حسین فاروقی ۔ بارہ آنہ
نثر ریاض ۔ ریاض خیرآبادی ۔ دو روپیہ بارہ آنہ
میخانۂ ریاض ۔ تسنیم مینائی ۔ تین روپے چار آنہ
نغمات ماہر ۔ ماہرالقادری ۔ تین روپے
محسوسات ماہر ۔ ماہرالقادری ۔ دو روپیہ بارہ آنہ
اسرار ۔ علی اختر ۔ دو روپے بارہ آنہ
کلیات حسرت ۔ حسرت موہانی ۔ تین روپے
تاج سخن ۔ فصاحت جنگ جلیل تین روپیہ
شرح دیوان غالب ۔ حسرت موہانی ۔ ایک روپیہ

ریاض رضواں - ریاض خیرآبادی آٹھ روپیہ
الجھن - قیسی رام پوری دو روپیہ آٹھ آنہ
دھوپ - " " تین روپیہ چار آنہ
سراب - مجنوں گورکھپوری تین روپیہ چار آنہ
صید زبوں " " دو روپیہ
وسوسے - فضل حق قریشی دو روپیہ بارہ آنہ
آجکل کے افسانے - فضل حق قریشی - دو روپیہ چودہ آنے
ولولے - قدوس صہبائی - دو روپیہ بارہ آنہ
جلوۂ رنگین - ڈاکٹر محمد نصیرالدین - تین روپیہ
گرداب - احمد ندیم قاسمی - تین روپیہ چار آنہ
لہریں - شفیق الرحمٰن دو روپے چودہ آنہ
زلزلے - قدوس صہبائی - دو روپے بارہ آنہ
نگینے - مظفر حسین شمیم دو روپے بارہ آنہ
تعبیریں - محمد امین شرقپوری دو روپیہ چودہ آنہ
مسکراہٹیں - کوثر چاندپوری - دو روپیہ بارہ آنہ
رنگین سپنے " " دو روپیہ بارہ آنہ
کروٹیں - قدوس صہبائی - دو روپے بارہ آنہ
افسانے ڈرامے - سعادت حسن منٹو دو روپے بارہ آنہ
انگڑائیاں - احمد ندیم قاسمی - تین روپیہ چار آنہ
سیلاب " " تین روپیہ آٹھ آنہ
اقبال کا تصور زمان - ڈاکٹر رضی الدین بارہ آنہ
سیاست جاپان - علی امام بلگرامی - دس آنہ

زندگی کے نئے زاویے ۔ رئیس احمد جعفری ۔ تین روپیہ
جمہوریہ چین ۔ میر عابد علی ۔ ایک روپیہ بارہ آنہ
ٹیگور اور ان کی شاعری ۔ مخدوم محی الدین ۔ ایک روپیہ آٹھ آنہ
تقدیریں ۔ منظور بخاری ۔ ایک روپیہ
پریم پجارن ۔ قدوس صہبائی ۔ پندرہ آنہ
تمدن عرب ۔ سید علی بلگرامی ۔ پینتیس روپے ۔
حج زینب ۔ محسن بن شبیر ۔ تین روپے
مجنوں کے خطوط ۔ عطاء الرحمن ۔ دو روپیہ آٹھ آنہ
کاشانۂ نادر " ایک روپیہ بارہ آنہ
خلفائے دکن کی اردو خدمات ۔ نصیر الدین ہاشمی ۔ دو روپیہ
ضیغم ۔ سعیدہ مظہر ایک روپیہ آٹھ آنہ
غبار ۔ قیسی رامپوری ۔ دو روپیہ چار آنہ
دل کی آگ ۔ ظفر واسطی ۔ ایک روپیہ بارہ آنہ
لال کوٹھی ۔ تبسم نظامی ۔ تین روپیہ چار آنہ
چاند بی بی سلطانہ ۔ وزیر حسن ۔ تین روپیہ بارہ آنہ
کامیاب افسانے ۔ وزارت انصاری ۔ ایک روپیہ آٹھ آنہ
زرد چہرے ۔ ابراہیم جلیس ۔ دو روپیہ چار آنہ
روسی ظرافت ۔ ضیائی ۔ دو روپیہ چار آنہ
فلمی تتلیاں ۔ بجلی جا میوری ۔ تین روپیہ ۔
سیاسی تقاریر ۔ نواب بہادر یار جنگ بہادر ۔ تین روپیہ ۔
یورپ کے تاثرات ۔ بدر شکیب ۔ دو روپیہ آٹھ آنہ

ناخواندہ مہمان - بادشاہ حسین - ایک روپیہ
مسز سمپسن ؍؍ ؍؍ ایک روپیہ
اُردو کا سب سے بڑا شاعر - ایک روپیہ آٹھ آنہ
جنات کی دنیا - مقبول احمد سیوہاروی ایک روپیہ چار آنہ
گاندھی جناح مراسلت - ضیائی - دس آنہ
اقبال کے خطوط جناح کے نام - چھ آنہ
ابن خلدون - عبدالقادر - چھ آنہ
ہٹلر کا نیا نظام - امتیاز حسین - دس آنہ
خدا اور کائنات - ماہرالقادری - نو آنہ
سیاروں پر زندگی - محمد عبدالرحمٰن - نو آنہ
شادی و محبت - مقصودہ فرحت - بارہ آنہ
تذکرہ یورپین شعراء اردو - محمد سردار علی - بارہ آنہ
بخارا کا جمہوری انقلاب - قدوس صہبائی نو آنہ
ترکستانی خاتون شاہراہ انقلاب پر - نو آنہ
مرد انقلاب - صہبائی - بارہ آنہ
گاؤدی - عروج - چودہ آنہ
ستارے - نجم آفندی - دس آنہ
جنگل کانفرنس - حیرت بدایونی - دس آنہ
رسول پاک کی صاحبزادیاں - قدوسی - ساڑھے بارہ آنہ
کردار - ماہرالقادری - دو روپیہ چار آنہ